زندگی

تا بندگی

کمال احمد رضوی

زندگی تا بندگی

بسلسلۂ فنِ آموزشِ حیات

کمال احمد رضوی کے اسی سلسلے کے دوسرے تراجم

- زندگی سے فائدہ اٹھایئے۔
- قابلیت کا مصرف۔
- میٹھے بول میں جادو ہے۔
- خود کو بھی موقع دیجئے۔
- سورج کا جادو۔

گلڈوس لرٹن

زندگی تابندگی

مترجم

کمال احمد رضوی

کتاب منزل لاہور

طابع : شیخ نیاز احمد

مطبع : علمی پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت خانہ : کتاب منزل لاہور

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۹۶

برادرم فصیح احمد کے نام !

فہرست

۱

طلب کیجیئے!

کیا یہ چیز آپ کو پسند ہے؟ محض حسبِ منشا رہے ہے؟ اگر آپ کو یہ مل جائے تو آپ قبول کر لیں گے؟ بس ——— تو پھر اسے طلب کیجیئے! آپ زندگی سے جو نسی چیز بھی لینا چاہیں، ٹھوس انداز اختیار کر کے بلا تامل طلب کیجیئے۔

یہ تجویز بظاہر کتنی ہی معمولی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو، لیکن اس میں سحر کی ایک مثبت صفت پنہاں ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ ایسی کوئی چیز طلب کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیجیئے، خواہ وہ چیز آپ کو اپنے دسترس کے اندر ہی کیوں نہ معلوم ہوتی ہو میڈاس نے سنہری لمس کی قوت مانگی تھی اور اس سے اس نے اپنی عزیزہ دختر کو ایک سنہرے پیکر میں ڈال دیا تھا، جب آپ غور کریں گے تو آپ کو بھی یہی محسوس ہوگا کہ آپ کو جو بیشتر کامیابیاں حاصل ہوئیں ہیں انھیں آپنے طلب کیا تھا اور آپ کی اُسی طلب نے آپ کو اُن کامیابیوں کے سر کرنے

پر اُکسایا۔

اسے طلب کیجئے، لیکن اس کو پہلے ہر طرح سے ٹھوک بجا کر دیکھ لیجئے کیا یہ عمدہ چیز ہے؟ محض واجبی ہے؟

زندگی کی بے شمار نعمتیں خواہ وہ مادی ہوں یا روحانی، محض اس لیے حاصل ہونے سے رہ جاتی ہیں، کیونکہ کوئی انھیں طلب نہیں کر پاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اُصول اتنا سادہ ہے، کہ اسے معمول ہیں نا حاصل کرنا تو درکنار عام طور سے اس پر نظر بھی نہیں ڈالتا، تاہم یہ زندگی کا ایک بنیادی اصول ہے، شیر خوار بچے بھی اسے جانتے ہیں وہ جس چیز کے پیچھے پڑ جائیں گے، اس کے لیے رو رو کر جان دے دینگے کسی ایک کی نہیں سنیں گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ جیسے جیسے ہماری عمر بڑھتی جاتی ہے، وہم شکوک اور اس قبیل کے دوسرے منفی عناصر ہمارے وقتاً فوقتاً کے شکست اور تلملاہٹ کے سبب ہمارے اندر جڑ پکڑ لیتے ہیں

کولمبیا کے نشری سسٹم کی ایک ممتاز گائیکہ جین فرومان نے زندگی کے مثبت طریقہ کار کو بچپن ہی سے اپنا شعار بنا لیا تھا، وہ اپنے طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ یاد کر کے سناتی ہیں وہ اس وقت میسوری کی یونیورسٹی میں ہوتی تھیں، اُن کے قیام کا بندوبست ہاسٹل میں تھا، جہاں کے سخت قانون کے مطابق وہ سینٹ لوئس جا کر آپرے نہیں سن سکتی تھیں، اُنھیں صرف اُن لوگوں کے پاس جانے کی اجازت حاصل تھی جن کے نام اسکول کے اساتذہ

نے منظور کر لیے تھے۔ سینٹ لوئس میں اُن کا ایسا کوئی واقف کار نہ تھا چنانچہ مِس جین بلا دھڑک اپنے ہاسٹل کی سب سے بڑی افسر خاتون کے پاس پہنچیں اور مدعا بیان کر دیا، افسر خاتون نے بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا کہ وہ محض اس کی سہولت کی خاطر اسکول کے قوانین کو صدمہ نہیں پہنچا سکتیں لیکن وہ بچی کی درخواست سے دل ہی دل میں متاثر بھی ہوئیں اور اس لیے انھوں نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے مہمان کے طور پر آپ ہی چلنے کی دعوت دی، جین فرومان کو جس چیز کی طلب تھی وہ انھوں نے بے جھجک طلب کی۔

آپ اس واقعہ کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ کہ یہ محض حسن اتفاق تھا، جو کسی کو بھی پیش آسکتا تھا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو، لیکن جین فرومان اُن عورتوں میں سے نہیں ہیں جو ایسے اتفاقات پر تکیہ دیئے بیٹھی رہیں، انھوں نے زندگی کی مثبت قوتوں کے راز کا پتہ جان لیا ہے ان کو جس چیز کی طلب ہوتی ہے وہ اُسے بے جھجک طلب کر لیتی ہیں، یہی جین فرومان صاحبہ تھیں جو جنگ کے زمانے میں پرتگال کے ایک علاقے لسبن میں ہوائی جہاز کے حادثے کا شکار ہو گئیں اور اُن کا دھڑ بری طرح زخمی ہو گیا وہ اپنے گھر لوٹنے کو بُری طرح بے تاب تھیں، لیکن ان کے کوئی وسائل نقل و حمل کا انتظام نہیں تھا انھیں امید کے ہر راستے بند نظر آئے، تب ایسے موقع پر انھوں نے صدر روز ولٹ کو ایک سادہ سا خط لکھا، جس میں اپنی نازک حالت کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے سواری کے لیے درخواست کی، جس سے وہ صحیح سلامت واپس گھر پہنچ سکیں

اور اُن کی سواری کا اتنا جلدی انتظام ہو گیا کہ انھیں سامان باندھنے کا بھی ٹھیک سے موقع نہ ملا۔

کیا آپ اسے محض حسنِ اتفاق کہیں گے؟ شاید لیکن ان واقعات کے متعلق کیا خیال ہے؟ جین فرومان گھر واپس آئیں اور سلسلہ وار کئی آپریشنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جس سے اُن کا سارا جسم آپریشن کے پیوند سے اٹ چکا تھا۔ انھوں نے ایک آٹوموبائیل کی فرمائش کی —— لوگوں نے کہا کہ تمھارا دماغ خراب ہو گیا ہے، ہزاروں لوگ کاروں کا انتظار کر رہے ہیں، جو اصل قیمت سے بھی زیادہ ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن انھیں کار نہیں ملتی تو تم کس شمار قطار میں ہو؟ جین فرومان نے اس کے بعد چپکے سے ڈائرکٹری اٹھائی اور اس میں ایک ایسی کمپنی کے ڈائرکٹر کا نام تلاش کرنے لگی جو اس کے حسبِ خواہش کار تیار کر دیتا تھا، اس نے اجنبی بن کر اسے ایک خط لکھا اور اس سے ایک کار کی درخواست کی، اسے کیا جواب ملا؟ اسے جواب میں محض ایک ننھا سا سوال ملا "آپ کو کون سے رنگ کی گاڑی پسند ہے"؟

جین فرومان جانتی ہیں کہ اگر آپ مانگ کر دیکھیں تو آپ کو بیشمار اچھی اچھی چیزیں مل سکتی ہیں بلکہ اُن کے مثبت قوتوں سے بھی زیادہ فی الفور اور متواتر طریقے سے۔ اگر زندگی میں ان کا رویہ منفی یا صابر ہوتا تو وہ نہ تو کبھی آپریشن کرا سکتی تھیں نہ گھر واپس آکر ضروری علاج و معالجہ کرا سکتی تھیں اور نہ ہی انھیں وہ کار ملتی جس کی انہیں اس درجہ طلب تھی، انھوں نے کبھی

بیہودہ نہ رویہ میں یہ کرسکتی "جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اس قدر منفی رویے کا واقع ہوا ہوں کہ میں ایسا کرنے کی کبھی کوشش تک نہیں کروں گا

ہم میں سے بیشتر افراد کو جو چیز بھی حاصل ہوئی ہے وہ مانگنے سے ہوئی ہے بعض اوقات ہم بہت زیادہ مانگ بیٹھتے ہیں جو ہمیں حاصل نہیں ہو پاتی اور یہ محرومی ہمیں خفگی بنا دیتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ چیز جسے ہم مانگیں ملنا ضروری نہیں، بہر حال اگر ہم جین فرومان جیسا بھر پور طریق کار استعمال کریں تو کم از کم زندگی کی بہت سی اچھی چیزوں میں ہمارا خاطر خواہ حصہ ضرور مل جائیگا

مشہور کالم نویس آسکر آڈنک اتنا ڈرکو اپنی پسند کی چیزیں مانگنے کا گُر اسے اپنے شروع ہی کے زمانے میں معلوم ہو گیا تھا، وہ نیویارک بالکل اجنبیوں کی طرح آیا لیکن یہاں اس کی شہرت اس کی راہ تک رہی تھی، اُس کا باپ اُس کے اُوپر فخر کیا کرتا تھا اور اس نے اپنے بیٹے کو اس خیال سے ایک خط لکھا کہ اس کی ملاقات مشہور مزاح نگار اروِن ایس کوب سے ضرور ہو گی، اس نے بیٹے کو تاکید کی کہ وہ کوب سے کہے کہ اگر اس کا کبھی پیسوری آنا ہو تو اس سے ضرور ملے۔

آوڈا اپنے باپ کی دل شکنی کرنا نہیں چاہتا تھا، لیکن اسے کبھی کاب سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اسے کسی ایسے آدمی کا علم تھا اسے کوب سے ساتھ متعارف کرا سکتا، آوڈ اس بات کا بھی اپنے باپ کے سامنے اعتراف کرنا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اتنے بڑے طنز نگار کی ملاقات سے

محروم رہا ہے، چنانچہ اس نے کوب کے نام ایک سیدھا سا ایک خط لکھا جس میں یہ تفصیل پیش کی۔

مسٹر کوب ! اگر آپ کے سفری تقاریر کے علاقوں میں پلاٹسبرگ میسوری آتا ہو، تو کیا ایک بڑے میاں کے گھر مہمان ہو کر ان کا جی نہ خوش کریں گے ؟ وہ میرے ابا جان ہیں !

یہ حیرت آفریں بات ہے کہ ایسے کتنے لوگ ہوں گے جو زندگی کی اونچی نیچی دوڑ میں دوسروں کی بعض خوشنودیوں کے لیے خواہ وہ بے جا ہی کیوں نہ ہوں، اپنی راہ کھوٹی کرنے پر آمادہ ہوں گے" لیکن اروِن کوب کا دل اوڈ مک انتائر کی درخواست پر پسیج گیا، اس نے اپنے پروگرام میں ایسی ترمیم کر لی، جس کے سبب وہ پلاٹسبرگ میں رک سکتا تھا وہ اس قصبے میں اوڈ مک انتائر کے باپ کا مہمان ہوا اور اس نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ اسے نیویارک کے قصبے اور آوڈ اور ان کے دوستوں کے تذکرے سنائے، مک انتائر کا باپ پورے پلاٹسبرگ میں رشک کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا اور آوڈ بھی اپنی ترقی کی راہوں پر گامزن تھا لیکن یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا، آوڈ بعد میں کوب سے ملا اور دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست بن گئے۔

بعض اوقات ہم بہت معمولی معمولی چیزوں کو مانگ کر شکست کھا جاتے ہیں اینڈریو کارنیگی نے جب جے۔ پی مورگن والوں کے ہاتھوں

اپنے لوہے کے کارخانے کا معاملہ کیا تو انھوں نے چالیس۴۰ کروڑ ڈالر طلب کئے کارنیگی کو یہ رقم مل گئی اور یہ رقم اس رقم کے مقابلے میں زیادہ تھی جو جے۔پی مورگن کے نمائندوں نے یونائٹڈ اسٹیٹ اسٹیل کارپوریشن کے لیے پیش کی تھی، کچھ عرصہ بعد کی بات ہے کہ اینڈریو کارنیگی ایک کاروباری سلسلے میں مورگن کے پاس تشریف لائے اور بولے "مجھے رہ رہ کر افسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ سے اس کارخانے کی قیمت ایک کروڑ روپے زیادہ کیوں نہ مانگی،" مورگن نے سر ہلا کر جواب دیا، اگر آپ نے مانگا ہوتا تو آپ کو ضرور مل جاتا۔

اس ضمن میں اپنے ایک دوست پیری ولیمز کا ذکر بھی دلچسپ رہے گا، جو بے حد پیاری شخصیت کے مالک ہیں، ان کے ساتھ بھی یہی بدقسمتی پیش آئی کہ انھوں نے زندگی سے جو کچھ مطالبہ کیا وہ ناکافی تھا اور یہی سبب ہے کہ شہرت ان سے کترا کر نکل گئی، جس زمانے میں ان کی عمر بیس۲۰ سال تھی انھوں نے ایک LIBRETTO تحریر کیا، یہ ایک نہایت اچھوتی تخلیق تھی اور کئی سال بعد میٹی پولیس میں پیش کی گئی۔ لیکن اس کی پیش کش سے بہت قبل کی بات ہے، پیری نے ایک بھرپور قدم اٹھاتے ہوئے اپنے لبریٹو کو عالمگیر شہرت کے مالک وکٹر ہربرٹ کی خدمت میں ارسال کردیا اگر ہربرٹ نے اس لبریٹو کو پسند کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ پیری دولت اور شہرت کا خزانہ سمیٹ لیتا، ہربرٹ جیسے عظیم ترین موسیقار نے

پیری کی تخلیق کو سراہا اور پیری کو لکھ بھیجا کہ وہ اس لبرٹیو کی موسیقی کو ترتیب دے کر فخر اور خوشی محسوس کریں گے، اُنھوں نے لکھا تھا کہ وہ چند ہفتے بعد مینی پولیس کے سفر پر روانہ ہوں گے اور تب دونوں مل کر اس کے انتظامات مکمل کرلیں گے۔

اس کا اثر یہ ہُوا کہ پیری صاحب ہوائی قلعے تعمیر کرنے لگے وہ بے چینی سے ایک ایک دن کا شمار کرتے رہے کہ مینی پولیس میں دیکھیے ہربرٹ کا نزول کب ہوتا ہے، اور یکایک ہربرٹ کے سفر کا پروگرام تبدیل ہوگیا، انھوں نے اپنا سفر ملتوی کر دیا تھا، مَیں نے پیری سے اس کی بابت دریافت کیا، پیری سے جس نے اپنی شہرت کا دروازہ محض ایک بار کی طلب سے باز کر دیا تھا، "پیری" تو تم نے پھر لبرٹیو کے متعلق کیا کیا؟

"کچھ نہیں" پیری ولیم نے جواب دیا، مجھے اس سے دھچکا ضرور لگا، لیکن مَیں نے وکٹر ہربرٹ پر زور ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

"لیکن تم یہ سب باتیں وکٹر ہربرٹ کے ساتھ، نیویارک جاکر بالمشافہ طور پر بھی تو طے کر سکتے تھے؟ مَیں نے پوچھا آخر ہربرٹ تمھاری تخلیق سے اتنا زیادہ متاثر ہُوا تھا کہ اس نے خود موسیقی ترتیب دینے کی پیشکش تھی اور وہ بھی بڑے فخر اور مسرت کے ساتھ۔ پیری بڑے اندوہناک انداز سے مسکرایا:

ہاں! ایسا مَیں کر تو سکتا تھا۔ لیکن مَیں نے ایسا کیا نہیں، مَیں خود بھی،

اکثر سوچا کرتا ہوں ________ "

پیری کی ایک ٹھوس کوشش نے اس کے سامنے شہرت کا دروازہ کھول دیا تھا اور اس کے انتظار میں اُسے کھلا رکھا، لیکن اس کے منفی رویئے نے جس میں ایک نوجوان کی ہچکچاہٹ اور طبعی شرمیلا پن حل تھی، اس دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا، پیری ولیم جیمز آف کامرس کے ڈائرکٹر ادیب اور مُدبر کی حیثیت سے بلند شخصیت کا مالک بنا لیکن جس وقت اس کی عمر تیئس سال کی تھی، اس وقت وہ ٹھوس اور محکم عمل کی قدروں سے ناواقف تھا جس کی بدولت وہ اپنی خواہشات کو پورا کر سکتا تھا، اور نہ ہی اسے یہ علم تھا کہ زندگی کے منفی رویئے کس طرح زندگی کو، چاروں شانے چت گرا دیتے ہیں۔

اسی واقعے کے ضمن میں ایک واقعہ اور پیش کرتا ہوں، انگلستان میں ایک نوجوان جلد ساز مائیکل فراڈے ہوا کرتا تھا، اس شخص کو ایک بار سائنس کا مطالعہ کرنے کا شوق چرایا، لیکن اس زمانے کے انگلستان میں اس قسم کی تعلیم کی سہولتیں محض ان لوگوں کو حاصل تھیں جن کے پاس عقل اور سرمایہ تھا، چنانچہ فراڈے نے ملک کے سب سے بڑے سائنس دان سر ہمفری ڈیوے کو ایک خط لکھا اور سر ہمفری سے استدعا کی وہ اس کے خواہشات کے حصول کے سلسلے میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں، اس معمولی استدعا نے یہ کام کیا کہ فراڈے کو سر ہمفری کے

ساتھ ملاقات کا موقع فراہم کر دیا، اور اس ملاقات کا یہ اثر یہ ہُوا کہ سر ہمفری نے فراڈے کو اپنے نائب کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لیا اور چند سال بعد فراڈے نے برقیات کے میدان میں بے پناہ شہرت حاصل کر لی اور یہ دنیا آج تک فراڈے کی اس طلب کے لیے ممنون ہے جو اس نے اپنی خواہشات کو پُورا کرنے کے لیے دست سوال دراز کیا تھا۔

روزمرّہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے لے کر بڑی بڑی شخصیات تک کا دارو مدار معمولی اور براہِ راست طلبی پر ہوتا ہے، اگر ہم یہ سوچتے رہیں کہ چھوٹی یا بڑی تمام چیزوں میں ہمارا بھی حصّہ ہے، جو ہمیں مانگ کر حاصل کرنا چاہیئے تو ہم ایسا سوچنے میں حق بجانب ہیں لیکن بعض دفعہ ہم اپنے حقوق کو وصول کرنے سے پیچھے رہ جاتے ہیں کیونکہ ہم اس کے لیے ٹھوس عملی طریقہ اختیار نہیں کرتے یا ہم لاپرواہی برتتے ہیں یا ہم جھجک محسوس کرتے ہیں اور شکست کے احساس سے خائف ہو جاتے ہیں۔

مشہور ادیب، لکچرر اور مشیر کار لیسٹر الف فائلز ایک درخواست کو اس طرح دے جانے کا دلچسپ واقعہ سناتے ہیں۔

"ایک دفعہ میں اپنی کرسی کے اوپر بیٹھا ہُوا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا میرے سامنے ایک صاحب تشریف فرما تھے جو اُچک اُچک کر بڑے اشتیاق کے ساتھ اخبار کی سرخیوں کا مطالعہ کر رہے تھے، پہلے تو مجھے خیال

آیا، مَیں اخبار ان کی جانب بڑھا دوں (کیونکہ مَیں نے دیکھا تھا کہ ان کے پاس پڑھنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا) پھر مجھے خیال آیا کہ محض شرارت کے طور پر یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ صاحب مجھ سے خود اخبار مانگتے ہیں یا نہیں۔

اپنی اس شرارت کو اور زیادہ پر لطف بنانے کی غرض سے مَیں نے اپنی گھڑی دیکھی اور وقت کو ذہن میں نوٹ کر لیا۔ بعد کے آدھ گھنٹے تک میرے ساتھی نظریں چُرا کر اخبار کا مطالعہ کرتے رہے، کئی مرتبہ اُنھوں نے میری جانب اس ارادے سے رُخ بھی کیا کہ وہ کچھ بولیں گے، لیکن بظاہر انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا، میں اس تمام عرصے میں اُن کے ذہنی تگ و دو کا بخوبی اندازہ کرتا رہا کہ وہ تابڑ توڑ کئی بار مانگنے کی جرأتیں اپنے اندر مجتمع کر رہے ہیں۔"

"جب چالیس منٹ گزر چکے تو انھوں نے پہلی بار اخبار کو ٹھیک طرح سے دیکھا اور بولے "معاف کیجیے گا، آپ اخبار کا مطالعہ کر رہے ہیں؟"

"جب ایک معمولی سی چیز مانگنے کے لیے ایک شخص کو چالیس منٹ کا عرصہ درکار ہو تو آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اتنے سارے لوگ اس سے زیادہ اہم چیزیں مانگنے سے کیوں باز رہ جاتے ہیں جو کہ ان کی خوشیوں کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔"

لوگ اس احساس ہی سے کپکپا اٹھتے ہیں کہ انھیں جواب میں "نا" سننے کی نوبت نہ آ جائے۔ اس کے لیے خواہ کتنے ہی جواز کیوں نہ ڈھونڈ لئے

جائیں، مثلاً وہ شخص یہ سمجھے گا کہ میں معمولی درجے کا انسان ہوں کہ میں نے اپنا اخبار نہیں خریدا، یا میں کسی شخص سے کچھ مانگے بغیر ہی کسی نہ کسی طرح گذارا کر لوں گا" یہ اور اس قسم کے دوسرے خیالات محض اس حقیقت کو چھپانے کے لیے گھڑے جاتے ہیں، کیونکہ ہم لفظ "نہیں" کو سننے کی اپنے اندر تاب نہیں رکھتے۔

یہ ہماری فطرت میں داخل ہے کہ ہم جان بوجھ کر لاپرواہی برتتے ہیں، ہم زندگی کے لیے بہترین اور عمدہ قسم کے اوزار حاصل کر کے انھیں علیحدہ رکھ دیتے ہیں اور انھیں مناسب وقت پر استعمال کرنا بھول جاتے ہیں، پیری ولیم صاحب نے ایک سیدھی سادی مگر ٹھوس درخواست کو نظر انداز کر دیا، اور اس کی پاداش میں ان کے ہاتھوں سے ایک بہت بڑا خزانہ نکل گیا، وہی پیری ولیم صاحب دوسروں کے اشاعتی اداروں میں اپنا خون پسینہ ایک کر رہے تھے، بہت عرصہ پہلے انھوں نے اپنے ذہن میں ایک اشاعتی ادارے کے خیال کو جنم دیا تھا، انھوں نے یہ بات اپنی بیگم کو بتائی اور کہا کہ اس کے لیے سرمایہ لگانے والے کی ضرورت ہے، انھوں نے کہا کہ میرے ذہن میں ایسا ایک سرمایہ لگانے والا آدمی ہے تو سہی، لیکن ——————

اب ایک معمولی سمجھ بوجھ کا بھی انسان اتنا جانتا ہے کہ ایک ہوشیار اور عقل مند بیوی ذہنی قلابازیوں کو پسند نہیں کرتی، میری بیوی جو شاید مردوں

کے ذہنی قلابازیوں سے پوری پوری واقفیت رکھتی ہے. بولی "تو تم اس سرمایہ لگانے والے سے بات کیوں نہیں کر دیکھتے؟ لیجئے پھر وہی بات آئی نا؟ اسے طلب کیجئے، اس واقعہ کے متعلق ایک کالم نویس ذکر کرتا ہے کہ اس معاملہ کو طے کرنے میں پیری ولیم نے محض نصف گھنٹہ صرف کیا، حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ ولفرید فنک جیسا مالدار ناشر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے محض پانچ ہی منٹ میں تیار ہو گیا تھا اور چند ہی مہینے بعد مشہور رسالہ "آپ کی زندگی" کا اجراء عمل میں آگیا.

اس قسم کی سیدھی درخواست چلتی گاڑی کو بھی روک سکتی ہے سینڈرڈ آئل کمپنی نیوجرسی کے نائب صدر الیف. ڈبلیو لوجوائے نے اسے ثابت کر دکھایا، بہت عرصہ قبل کی بات ہے لوجوائے صاحب الطونہ میں ایک کاروباری کام کے سلسلے سے فراغت پانے کے بعد رات کو شکاگو کے لیے روانہ ہونے کی غرض سے اسٹیشن پہنچے، اب یہ کہانی خود انہی کی زبانی سنیئے:

"جب میں اسٹیشن پہ پہنچا تو اسٹیشن ماسٹر نے تاسف سے سر ہلا کر مجھ سے کہا "آپ ذرا دیر سے پہنچے ہیں، سات بجے والی گاڑی ابھی ابھی چھوٹی ہے اور اب دوسری گاڑی دو بجے رات کو پہنچے گی.

میں نے اس اطلاع سے حواس باختہ ہو کر دریافت کیا، الطونہ

جیسے بڑے شہر میں ساتؔ اور دوؔ بجے کے دوران اور کوئی گاڑی نہیں ملتی ؟
بونے قد کے اسٹیشن ماسٹر نے سر ہلا کر کہا ” اور دوؔ بجے والی گاڑی بھی یہاں نہیں ٹھہرتی، پتہ نہیں کیوں، میں آج سترہؔ سال سے یہاں ہوں لیکن دوؔ بجے والی گاڑی یہاں کبھی نہیں ٹھہری“
آپ کا کیا مطلب ہے ؟ ان سترہ سالوں میں آپ نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہاں اتنی تھوڑی گاڑیاں کیوں ہیں یا دوؔ بجے والی گاڑی یہاں کیوں نہیں ٹھہرتی ؟ میں نے اشتیاق کے ساتھ دریافت کیا۔
اسٹیشن ماسٹر نے اسی طرح سر ہلا کر جواب دیا ” پتہ نہیں آج تک تو نہیں ٹھہری “
یہاں پر میں نے کہا ” آیئے میں آپ کے ساتھ شرط لگاتا ہوں آپ فون کر کے دیکھئے، گاڑی یہاں پر ضرور ٹھہرے گی“
تھوڑی سی غور و فکر کے بعد اسٹیشن ماسٹر نے اپنے اعلیٰ افسروں سے ٹیلی فون پر بات چیت کی اور اچانک میری طرف مڑ کر بولا ” میری سمجھ میں نہیں آتا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے، لیکن آج دوؔ بجے والی گاڑی یہاں ٹھیرے گی “
اور ٹھیک دوؔ بجے میں تیار کھڑا تھا کہ اتنے میں گاڑی رینگتی

ہوئی آکر رک گئی، جب میں گاڑی میں سوار ہونے لگا تو کنڈیکٹر نے چلاکر کہا "آپ اس پر سوار نہیں ہو سکتے، ہم الطونہ سے مسافر نہیں بٹھاتے ہیں۔"

لیکن جب میں نے اس کنڈیکٹر کو یہ بات بتائی کہ صرف میں اس اسٹیشن کا اکیلا مسافر ہی نہیں ہوں بلکہ یہ گاڑی محض میری خاطر رکی ہے تو آخر میں کنڈیکٹر نے مجھے سوار ہونے کی اجازت دے دی۔

تھوڑی دیر بعد جب گاڑی پلیٹ فارم کو چھوڑ کر رینگتی ہوئی یارڈ کو پار کر رہی تھی، اچانک وہ کنڈیکٹر میری جانب مڑا اور بولا "آپکو معلوم ہے میں پچھلے سترہ سالوں سے اس گاڑی میں خدمات انجام دے رہا ہوں آج پہلا موقع ہے کہ یہ گاڑی الطونہ میں رکی ہے ــــ اور آپ اس اسٹیشن کے پہلے مسافر ہیں ــــــــ آپ کے اس اعزاز کے بدلے میں آپکو یہاں کی سب سے عمدہ نشست پیش کرتا ہوں۔

یہ درست ہے کہ مسٹر لوجوائے کو ہر بار اس طرح گاڑی کو ٹھہرانے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ کس قدر حیران کن ہے کہ بہت سے منفی طبیعت کے لوگوں نے بلاوجہ الطونہ کے اسٹیشن پر اپنی رات ضائع کی، کیونکہ انھوں نے کبھی اپنی خواہش سے وہ چیز طلب نہیں کی، جس کی انھیں ضرورت تھی۔

جو لوگ منفی رجحانات کے حامل ہوتے ہیں وہ تجویز شدہ نسخے کو ٹھیک

طرح آزمانے کے خواہش مند نہیں ہوتے، ایک افسر کی حیثیت سے میرے تجربے میں یہ بات آئی ہے، ایسے بیسیوں افراد تھے، جو اپنی تنخواہوں میں اضافے کے متمنی تھے، ہر چند وہ تمام کی تمام درخواستیں منظور نہیں ہوتی تھیں تاہم بڑی حد تک اُن کے معاملات سلجھ جاتے تھے، ابھی ایک یا دو سال کی بات ہے ایک خاتون کلرک اسی طرح تنخواہ میں اضافے کے لیے میرے پاس درخواست لے کر آئیں وہ اعتراف کرتی تھیں کہ انھیں بھی اتنی ہی تنخواہ ملتی ہے، جتنی دوسرے کلرکوں کو ملتی ہے، بلکہ بہتوں کے مقابلے میں انھیں زیادہ ہی تنخواہ ملتی ہے لیکن انھیں اس سے زیادہ رقم کی ضرورت تھی، انھوں نے اس نسخے کو پوری طرح نہیں آزمایا تھا وہ اس کے لیے کچھ نہیں کرنا چاہتی تھیں، مَیں نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ شارٹ ہینڈ سیکھ لیں تو انھیں اسٹینو گرافر کی جگہ مل جائے گی، اور اُن کی تنخواہ بڑھ جائے گی، اُن کی سہولت کی خاطر مَیں نے انھیں ایک باضابطہ کورس کا مشورہ بھی دیا، جسے وہ دفتر سے فاضل اوقات میں رات کے وقت کسی شبانہ ادارے میں پورا کر سکتی تھیں، لیکن اُن خاتون نے تو جیسے ٹھان لیا تھا کہ وہ زیادہ روپیہ کمانے کے لیے ذرا سا بھی کوئی کام نہیں کریں گی۔ انھیں بس روپیہ چاہیے تھا، اب انہی خاتون کے برعکس، مجھے ایسے ٹھوس اور جری لوگوں سے بھی سابقہ پڑا ہے، جو ایسی ملاقات کے بعد ایک ٹھوس اقدام پہ مائل ہوتے ہیں اور اپنی تنخواہوں

میں خاطر خواہ اضافہ کرا لیتے رہیں۔

یہ تو ایک روشن حقیقت ہے کہ انسان جو طلب کرے اُسے فوراً ہی مل جانے کا کوئی امکان نہیں ہوتا، اس میں دیر بھی لگتی ہے، مجھے ایسے موقعہ پر ایک نوجوان اخباری رپورٹر ٹریزیٹ فینیتی کی مثال یاد آتی ہے جو میرے اخبار میں کام کرتا تھا وہ اس اخبار کا سٹی ایڈیٹر ہوا کرتا تھا وہ دن بھر میں اکیلا دو رپورٹروں کے برابر کام کرتا تھا، اس نے ایک دفعہ اپنی تنخواہ کے اضافے کا مطالبہ کیا، لیکن اس وقت ہمارا بجٹ اس کی اجازت نہیں دیتا تھا، اس لیے مَیں نے اُن سے معذرت چاہی نیزٹ نے اپنی ترقی کا پورا سامان مُہیا کر لیا تھا اور وہ ترقی کا خواہاں تھا لیکن بجٹ اس کی راہ میں آڑے آرہا تھا، لیکن نیزٹ ٹھوس قدم انسان واقع ہُوا تھا، اس نے اس ملازمت کو ترک کر دیا اور ایک دوسرے اخبار میں چلا گیا، جہاں اس کی تنخواہ اب اس اخبار کے مدیرِ اعلیٰ سے بھی زائد تھی، بعد میں پھر ہمارے اخبار نے اس کی سابق تنخواہ میں کئی چند اضافوں کے ساتھ دوبارہ بلا لیا اور ابھی چند ہی سال ہوئے کہ اسے صحافت میں "پولٹزر" انعام سے نوازا گیا ہے۔

یہ بات ہمارے مشاہدے میں آچکی ہے کہ ایک ٹھوس اور بھرپور اقدام، جنگ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو پار کر سکتا ہے، کاروبار پھیلا سکتا ہے اور چلتی گاڑی کو ٹھہرا سکتا ہے، کتاب کے ابواب جب

آپکو بے دھڑک کوئی چیز مانگنے کے فوائد کو آپکے سامنے عریاں کر دیں گے تو پھر آپ جمع خاطر رکھیں کہ آپ کو کوئی نقصان برداشت کرنے کا سابقہ نہیں ہو گا بلکہ آپ کے سامنے بے شمار کامیابیوں کے دروازے کھل جائیں گے، البتہ آپ کے دل کے اندر ویسا ہی ٹھوس اعتقاد ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ووڈورڈ کی ایک بس میں سوار ہونے والی ننھی بچّی کو حاصل تھا، یہ واقعہ اخبار ڈی ٹرائٹ نیوز ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

"ایک خوش پوشاک ممی اپنی چار سال بچّی کے ساتھ بس میں سوار ہوئیں ممی نے یہ محسوس کیا کہ بچّی کا ننھا سُرخ بٹوہ کہیں گم ہو گیا تھا اور وہ اس طرح زور زور سے بلک رہی تھی کہ ممی دوسرے مسافروں کے سامنے عرق ندامت میں غرق ہوئی جارہی تھی، بچّی اشک آلودہ آنکھوں سے اپنے نقصان پر بلک رہی تھی، ممی تم تو کہتی تھیں کہ اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو اللہ میاں سے دعا کرنی چاہیئے، وہ ہماری چیز لوٹا دیں گے" ممی خاموش تھیں، بس کے تمام مسافروں پر اس ننھی بچی کی معصوم باتوں سے رقت طاری ہو گئی تھی، جب بس ایک چوراہے کی سرخ بتی کا نشان پاکر رکی تو اتنے میں زور زور سے ہارن بجاتی ہوئی ایک موٹر اس کے ساتھ آکر رکی، اس گاڑی کے ڈرائیور نے بس کے ڈرائیور کی جانب ایک ننھا سا سرخ بٹوہ بڑھایا، "ممی دیکھا تم نے" بچی نے بغیر کسی تعجب کے اطمینان کے

ساتھ اپنی ماں سے کہا "

"اللہ میاں نے میرا گم شدہ بٹوہ پھر واپس کر دیا"

کیا یہ اچھی چیز ہے ؟

آپ کے حسب منشا ہے .

بس تو پھر اسے طلب کیجیئے

یہ طریقۂ کار خود آپ کی اپنی زندگی کو مایوسیوں ، نامرادیوں جھجک خوف ، شبہات ، جبر اور تنہائی سے یکسر پاک کر کے ان کی جگہ کامیابیوں اُمنگوں ، محبتوں ، دوستی ، امید اور توقعات اور طمانیت قلب سے مالا مال کر دے گا اور ——— بیش بہا مادی کامیابیوں سے آپ کا دامن بھر جائے گا ۔

•

۲

آپ کیا ہیں؟

مثبت یا منفی

زندگی کا یہ ہمہ گیر اصُول ہے کہ ہم صرف اس وقت کامیابیوں سے دو چار ہوتے ہیں جب ہم اپنی اندرونی قوتوں میں یقین کرنے لگتے ہیں اور ہم اپنے یقین کو مثبت فکر و عمل کے تابع کر لیتے ہیں، لیکن جب ہم منفی قوتوں کو اپنے فکر و عمل کے دائرے میں زہر پھیلانے کی اجازت دے دیتے ہیں تو ہمیں ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اگر ہم اپنی، اپنے دوستوں اور دوسروں کی زندگیوں کا ذرا سا مطالعہ کریں تو ہم پر یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ تمام لوگ دو طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں، ہم ابتدائی طور پر یا تو مثبت ہیں یا منفی۔ زندگی کا مثبت انداز ہمیں اُوپر دیکھنے اور یقین کے ساتھ دیکھنے پر اکساتا ہے، اسی کے برعکس منفی انداز، پیچھے یا پستی کی طرف دیکھنے کی

ترغیب دیتا ہے، بعض اوقات ہم ان دونوں کے حملوں کے بین بین رہتے ہیں لیکن عام حالات میں ان میں سے ایک عنصر زیادہ شدت کے ساتھ شخصیت پر غالب آجاتا ہے۔

یوں تو ایک طرح سے تمام عمل مثبت ہوتے ہیں، چنانچہ مشہور ماہر نفسیات، ادیب اور مفکر ڈاکٹر البرٹ ایڈورڈ وگیم کے بیان کے مطابق ہمارے یہ دو طبقے "بیکار مثبت" اور "بیکار منفی" کے نام سے پکارے جا سکتے ہیں، دونوں طبقوں میں یہ امتیاز پیدا کرنا ضروری تھا کیونکہ منفی عمل میں قوت بیکار ضرور ہوتی ہے جیسا کہ ہارورڈ اور ییل یونیورسٹی کے ڈاکٹر جان ڈالرڈ نے اپنی ایک ممتاز تحقیق میں بیان فرمایا ہے۔

ممتاز ماہرین نفسیات و ماہرین عمرانیات کی اس تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ہر قسم کی ناکامی اپنے ردِ عمل میں ایک جارحانہ قوت کو جنم دیتی ہے اور بعض اوقات یہ جارحانہ قوت غلط جگہ جا پڑتی ہے۔ اس کلیے کو ایک مثال کے ذریعے آپ تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔

مسٹر روٹین کی دفتری ترقی کی راہ میں مسٹر بک شاٹ آڑے آرہے ہیں، مسٹر روٹین محسوس کرتے ہیں کہ ان کی یہ مایوسی ان کے سارے وجود کے لیے ایک چیلنج بن گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کا کوئی اپائے نہیں کر سکتے وہ صاحب گھر جاتے ہیں اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اپنی بیوی پر ٹوٹ پڑتے ہیں کہ یہ شوربہ یا تو بہت

گرم ہے یا بہت ہی سرد ہے، بیگم بے چاری اپنے جذبات کے بخارات کو نکالنے کے لیے ننھے کو ایک دو جھڑپ دیتی ہیں، ننھا اس جھڑپ سے بدمزہ ہو جاتا ہے اور اپنی گرمی کتے کو ایک دو لات رسید کر کے نکال لیتا ہے اور کتا وہاں سے روہانسا ہو کر نکلتا ہے اور بلی کو کاٹ کھاتا ہے، اور آخر کیوں نہ ہو، آخر جانوروں پر بھی تو محرومیوں اور ناکامیوں کا وہی عمل ہوتا ہے، جیسا انسان پر ہوتا ہے ۔کارنیگی یونیورسٹی میں اسی طرح ایک سؤر کے پلّے کا باقاعدہ مطالعہ ہوتا رہا، جو اپنی پیہم محرومیوں اور احساسِ شکست کے سبب فسادِ اعصاب کے سخت قسم کے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔

مشکلات اور مایوسیاں تو زندگی بھر ہمارے آگے حائل ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ ان کا ہم پر ردِعمل کیا ہوتا ہے۔ ردِعمل ہی کی بات ہے کہ یا تو ہم منفی اثرات کے حامل ہو جاتے ہیں اور ہماری شخصیت تباہ کن طور پر جارحانہ صورت اختیار کر لیتی ہے یا پھر ہم متوازن مثبت عمل کے حامل اور تعمیری قوتِ پیکار کی شخصیت اختیار کر لیتے ہیں، جذبات اور عمل کے مابین خطِ فکر کھینچ دیتی ہے ذیل میں دو اصول پیش کیئے جاتے ہیں۔

"میں، ایک اجنبی اور خائف انسان

ایک ایسی دنیا میں زندگی گذارتا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں بنایا۔"

(اے۔ ای ہاؤزمین کا ایک شعر)

ایک نوجوان اوباش قسم کا انسان، عیش طلب زندگی بغیر محنت کے

روپے کا خواہاں ہوتا ہے لیکن وہ غیر تعلیم یافتہ، ڈرپوک، کاہل اور محرومیوں کا مارا ہوا انسان ——————— ایک ایسی دنیا کا اجنبی ہے جسے اس نے کبھی نہیں بنایا، اس کے جارحانہ ردِ عمل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رہزن اور قاتل بن جائے گا اور دوسروں کی زندگی تباہ کرتا رہے گا، حتیٰ کہ ایک دن خود اس کی زندگی بھی تباہ ہو جائے گی یہ ایک منفی رجحان کی قوت ہے!

میں اپنی قسمت کا محافظ ہوں
میں اپنی روح کا مالک ہوں

(ولیم آرنسٹ ہینلے کا ایک شعر)

ایک شخص ہے ہیری ڈوئیلہ ابھی ابھی اسکول سے فارغ ہوا ہے کمزور، ناتجربہ کار اور بے ہنر سا نوجوان ہے ——————— یہ سوچتا ہے کہ کس طرح وہ لاکھوں اور کروڑوں روپے کا کاروبار کرے ۔ اور سینکڑوں مرد اور عورتیں اس کی تابع ہوں۔ وہ اپنی محرومیوں کو زیر کرتا ہے، یہ ایک منفی رجحان کی قوت ہے۔

لفظ مثبت کا نام زبان پر آتے ہی ہمارا ذہن صریح، خوش آئند ایجابی، کامل قطعی اور تعمیری اقدار کے تصورات سے معمور ہو جاتا ہے اور یہ تصورات ارادیت، تشکک، انکار پسندی جھجک، تردید اور انکار کے اُلٹ ہیں ایک ٹھوس انسان سے یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ وہ اعتماد کی زیادتی کا شکار ہو جائے اور استبداد پسندی پر اُتر آئے، اس کے لیے صحیح اور مصنوعی

دونوں قبیل کے مثبت تصورات میں امتیاز پیش کرنے ضروری ہیں، مملطا بالفعلی قسم کا اثباتی عمل تین اقسام یعنی انانیت پسندی، تسلط پسندی اور مجنونانہ افعال پر مشتمل ہے آپ اس قسم کے اثباتی عمل کا مشاہدہ خود اپنے حلقۂ احباب میں بھی کر سکتے ہیں۔

غالباً آپ کو بہت سے انانیت پسند مرد اور عورتوں سے ملنے کا موقع ملا ہوگا، جو قدرتی طور پر مثبت رہی انداز کے مالک ہوتے ہیں ایک امارت پسند انسان مستقل طور پر انانیت کا شکار ہوتا ہے جو بظاہر اپنے آپ کو محفوظ برتر اور پر اعتماد محسوس کرتا ہے لیکن اس کے دل پر ہمیشہ یہ خوف غالب رہتا ہے کہ لوگ اس کی اس ظاہر داری کو قبول نہیں کریں گے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خطرات میں گھرا ہوا پاتا ہے اور ہر لمحہ اسے ناکامی کا دھڑکا لگا رہتا ہے وہ جو اپنی بڑائی کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو فخر کے ساتھ یہ بتاتا پھرتا ہے کہ آج اس نے فلاں لیڈر کے ساتھ لنچ کیا، حالانکہ اس لنچ پر اس کے علاوہ سیکڑوں آدمی اور بھی موجود ہو سکتے ہیں، یہ قسم خالص انانیت پسند مثبت انسان کی ہے، جو لوگ صحیح معنوں میں کسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں وہ ایسی معمولی معمولی چیزوں کا رعب گانٹھنا پسند نہیں کرتے، اگر کوئی خاتون آپ سے کہے کہ وہ الوا گارڈنر یا ممتاز ممتاز نورجہاں کے ساتھ دعوت کھا کر آرہی ہیں تو انھیں بھی آپ اسی زمرے میں شامل کر سکتے ہیں، اگر آپ کسی امارت پسند انسان کو اپنی دولت،

رسوخ اور قابلیت کی ڈینگیں مارتے ہوئے دیکھیں تو آنکھ بند کر کے یقین کر لیجئے کہ وہ شخص بے حد کھوکھلا، غیر مطمئن اور کمتر ہے اور محض خیالی شخصیت کے بارے میں باتیں کرتا ہے۔

"جو شخص اپنے آپ کو اوقات سے زیادہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اس جیسا اعلیٰ پائے کا احمق کوئی نہیں۔ میچیگان کے مشہور ماہر نفسیات ہنری فاسٹر آرم فرماتے ہیں" وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو فریب دے کر یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ مضبوط اور مثبت وصف کا آدمی ہے اس کی قابلیت بڑی بے پناہ ہے لیکن حقیقتاً وہ عام طور پر معمولی سطح کا بھی انسان نہیں ہوتا۔ اسے انسانوں کی تمیز نہیں ہوتی، اس کے دماغ میں گودا نہیں ہوتا اور تمام لطیف احساسات سے یکسر طور پر عاری ہوتا ہے، ایسے شخص میں ہمیشہ ہمت یا جرأت کا فقدان ہوتا ہے اور وہ نازک اوقات میں چراغ پا ہو جاتا ہے۔

مصنوعی انانیت پسندی اور تسلط پسندی میں بھی نمونی رشتہ ہے تسلط پسند قسم کے مثبت انسان کو بھی احساس کمتری گھن کی طرح چاٹتا رہتا ہے۔ لیکن ایک تسلط پسند انسان اپنے آپ کو غبارے کی طرح اڑا دینے کی بجائے دوسروں سے من مانی کروا کر اپنی انا کو تسکین پہنچاتا ہے۔ پرانے زمانے میں مدرسوں میں اساتذہ اپنے نائب قسم کے لوگوں کو ہمیشہ بزدل بنا کر رکھا کرتے تھے، تاکہ اُن پر ان کا سکہ چلتا رہے، آپ کو آج کئے ماننے

ہیں بھی ایسے مرد اور عورتوں کو جاننے کا شاید اتفاق ہوگا جو دوسروں میں اُمنگ اور سرخوشی پیدا کر کے کام لینے کی بجائے انھیں ہمیشہ اپنے رعب اور اثر کے تلے دبائے رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس قسم کے افسر یا کمپنیوں کے مالک آج کے زمانے میں شاذ و نادر ہی آگے بڑھتے ہیں آپکو اس قماش کے اشخاص ہنگامہ پیدا کرنے والے شوہر اور ابا جان حکمران بیوی یا ماں کے روپ میں ملیں گے، جو ہمیشہ ظلم کے زور سے کام لینے کے عادی ہوتے ہیں، آپ انانیت پسند قسم کے بلبشت انسان پر تو ہنس بھی سکتے ہیں لیکن آپ مصنوعی تسلط پسند انسان پر اگر ہنسیں گے تو تعجب نہیں کہ اس سے کوئی ضرر پہنچ جائے۔

ہٹلر اس قسم کے تسلط پسند انسانوں میں سب سے عمدہ مثال ہے اس نے اپنی تمام رعایا کو جبریہ اپنی اطاعت کرنے، جلاوطن ہو جانے یا اپنی پولیس سے کٹ جانے پر مجبور کیا، اب اسی ہٹلر سے مہاتما گاندھی کا مقابلہ کیجیے۔ جن کے پیرو کار کسی جبر یا تشدد کے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو تیار تھے۔

اس مصنوعی بلبشت انسان کی تیسری قبیل جنجونانہ بلبشت انسانوں کی ہے۔

مثال کے طور پر ننھا جانی غصے میں آکر اسکول جانے سے انکار کر دیتا ہے اور اپنے آپ کو محض اس لیے بیمار بنا لیتا ہے، کیونکہ اس کی ننھی بہن جو آج ہی گھر لوٹی ہے اسے، اس سے رشک ہے در اصل جانی جنجونانہ بلبشت اوصاف کا

مالک ہے ایسے مرد اور عورتیں جو خود کو بیمار بنا کر دوسروں پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں اسی زمرے میں شامل ہیں اور ان میں سے بعضوں نے تو واقعی اس فعل میں خود کو زندگی بھر کے لیے اپاہج بنالیا۔

طبی ریکارڈ ایسے جذباتی واقعات سے بھرے پڑے ہیں، جو جسمانی طور پر ایسے صحیح علامات پیش کرتے تھے اور اتنی اذیت میں محسوس ہوتے تھے کہ طبی ماہرین تشخیص کر کے دنگ رہ گئے ہیں اس قسم کے دو واقعات ابھی حال ہی میں نیویارک شہر کے ڈاکٹر تھیوڈور، پی وولف نے دریافت کئے ہیں۔

ایک نوجوان لڑکی التہاب زائدہ کی مریضہ تھی، لیکن جب اس کا آپریشن کیا گیا تو اس کے جسم کا یہ مخصوص حصہ بالکل نارمل تھا، نفسیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ لڑکی میں درد یا التہاب زائدہ کے علامات محض اس وجہ سے پیدا ہو گئے تھے کہ وہ لڑکی اپنی تنہائی سے بہت زیادہ خائف تھی اور ویران و تاریک راستوں میں گھومتی پھرتی تھی۔

ایک غیر شادی شدہ عورت ہسپتال میں علاج معالجے کی غرض سے داخل ہوئی، اور اپنے داخلے کے پہلے ہفتہ میں تقریباً مرتے مرتے بچی، اس عورت میں سخت قسم کے بلڈ پریشر کے علامات پائے گئے جب اس کا پوری طرح معائنہ ہوا تو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس بیماری کے علامات ظاہر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی خواہشات کو بہت زیادہ دبائے

رکھنے پر مجبور تھی، اس کے سر پر کئی سالوں سے اپنے ضعیف والدین کی پرورش کا بوجھ تھا اور وہ اُن کی ذمہ داریوں کے باعث اپنی تمام خواہشات دبائے رکھنے پر مجبور تھی

ایسی بہت سی مائیں دیکھی گئی ہیں جو اپنے بچوں پر تسلط جمانے کے لیے بیمار بن جاتی ہیں، ایسے بے شمار مرد پائے گئے ہیں جو دفتر جانے کی کوفت سے چھٹکارا پانے کے لیے خود کو بیمار بنا لیتے ہیں اس قسم کے مجنونانہ قبیل کی قطعیت انسان کو زندگی بھر کے لیے مفلوج اور اندھا بنا چکی ہے.

منفی اور غیر قطعی شخصیت کی پہچان یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی تجویز یا تحریک کے خلاف مزاحمت اور مراجعت کا مظاہرہ کرتی ہے ایک منفی وصف کا آدمی ہمیشہ مخالفت پر کمر بستہ ہوتا ہے اور ہر چیز کو رد کرنے ناجائز قرار دینے پر آمادہ ہوتا ہے اور عام طور پر بے اعتماد ہوتا ہے. وہ کسی بھی چیز کو مثبت طریق سے دیکھنے کا عادی نہیں ہوتا، اکثر و بیشتر جس چیز کی ضرورت ہوگی اس کے ٹھیک برعکس کام کرنا پسند کرے گا

منفی کا لفظ دراصل لاطینی زبان کے NEGATIO سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے، انکار کرنا۔

بچے عام طور پر یہی کام کرتے ہیں جس سے انھیں باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ اس قسم کا منفی رویہ اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے ہیں، شاید بچے کے لیے یہی

ایک راستہ ہے جس سے اسے تسکین حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے طور پر آزاد ہے۔

بہرحال جو چیز ایک بچے کے لئے قابل معافی ہو سکتی ہے وہی بچگانہ طریق کار ایک جوان مرد کے لیے تباہی کا موجب ہو سکتی ہے، ایسے بے شمار مرد اور عورتیں ملیں گے جو دوسروں کے مشوروں یا نصیحتوں کو اس لیے نہیں ٹھکراتے کہ وہ مشورے یا نصیحتیں غیر صحت مند ہوتے ہیں بلکہ وہ اس لیے ٹھکرا دیتے ہیں تاکہ وہ ثابت کر سکیں کہ وہ کسی سے کم تر نہیں ہیں:

ذیل میں منفیانہ عادات کو پاک کرنے کے لیے چند مفید مشورے درج ہیں:-

۱: مطالعے کے ذریعے یا ماہرین کے مشوروں کی مدد لیتے ہوئے آپ اپنے عادات و اطوار کا جائزہ لیجیے اور ان کا بھرپور تجزیہ کیجیے۔

۲: اپنی ان ناآسودگیوں اور مشکلات کا کھوج لگائیے جنھوں نے آپ کے اندر ان عادات کو جنم دیا ہے۔

۳ - مطالعہ یا مشورے کے ذریعے یہ پتہ چلانے کی کوشش کیجیے کہ ان خواہشات کی مکمل تکمیل کس طرح ممکن ہے جنھوں نے منفی عادات کے خیالات کو جنم دیا ہے۔

۴: مثبت طریق سے سوچنا سیکھیے اور ان کے روزمرہ کے استعمال

سے ایک مثبت انداز وضع کیجئے، مثبت قوتیں منفی عادات کو ختم کر دیتی ہیں۔

صحیح مثبت فکر کا انسان وہ ہے جو ہمیشہ روشن پہلوؤں کو دیکھتا ہے اور تعمیری فکر میں رہتا ہے وہ سوچتا ہے "میں ایسا کر سکتا ہوں۔ میں ایسا کروں گا۔ اور اسی وقت کروں گا" آپ کو زندگی کی ہر عمدہ چیز براہ راست، فنونِ لطیفہ، مصوری، سائنس، مذہب سیاسیات میں ملے گی ———— جو مثبت طریقہ کار سے عمل میں آئی ہیں۔

لیکن ایک منفیانہ وصف کا آدمی کبھی خوش نہیں رہے گا وہ ہمیشہ اپنی زندگی نامعلوم خوف میں بسر کرتا ہے، وہ سوچتا ہے "...... میں ایسا نہیں کر سکتا، میں ایسا کرنے کی کوشش بھی نہیں کر سکتا، میں ایک ایسی دنیا میں غم و حسرت کی زندگی بسر کرتا ہوں جسے میں نے کبھی نہیں بنایا۔"

کیا آپ کسی ایسے مسیح کا تصور کر سکتے ہیں جو منفی ہو؟

کیا آپ کسی ایسے ایڈیسن کا تصور کر سکتے ہیں جو منفی ہو؟

کیا آپ کسی ایسے سیاح کا تصور کر سکتے ہیں جو منفی قوتوں کا مالک ہو؟

کیا آپ کسی منفی رجحان کے حامل کھلاڑی کا تصور کر سکتے ہیں؟

یہ درست ہے کہ لغت یا کی دنیا میں کوئی چیز مکمل سفید یا سیاہ نہیں ہوتی یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ اس میں ہمارے لیے بہت سے سرمئی دھبے ہیں ایک منفی رواج اپنے اندر ممکن ہے اتنی قطعیت رکھتی ہو کہ وہ بستر سے صبح جلد

اُٹھ جائے، ناشتہ تیار کرے اور دن بھر کے ضروری کاموں سے نبٹے جو زندگی کے لیے لازمی ہیں، لیکن اس کا یہی عمل اسے زندگی میں اس سے زیادہ نعمتیں حاصل کرنے سے باز رکھتی ہے۔

ہم میں سے ایسے بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے عمل کی ابتدا قطعیت سے ہی کی، ہم لوگوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ اپنی خوراک، حرارت اور آرام حاصل کرنے کی سعی کی، بچّوں میں بھی بیشتر بچے اپنی ابتدا بلند ترین طریقے سے کرتے ہیں، لیکن بعد میں انھیں مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو مشکلات کو سر کرنے کے لیے مثبت طریقہ استعمال کرتے ہیں اور بعض منفی رجحانات اختیار کر لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو مثبت اور منفی دونوں کی ملاوٹ بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ ساری عمر ان ہی دونوں قوتوں کی باہم کشمکش میں پھنس کر رہ جاتے ہیں، اور پھر ان میں سے ایک قوت زیادہ شدت اختیار کر لیتی ہے، اور دوسری قوت پر حاوی ہو جاتی ہے، دنیا کے کامیاب ترین لوگوں نے زندگی کی مثبت قوتوں کا راز پایا ہے اور وہ اسے اپنے روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہیں۔

مایوس، نامراد اور ناکام قسم کی منفی شخصیتیں بھی مناسب تربیت و تعلیم کے ذریعے مثبت قوتوں کی مالک بن سکتی ہیں جن کا اس کتاب کے ابواب میں بیان آیا ہے۔

۳

مشکلات سے نبٹنے کا ٹھوس طریقہ

ہم سبھی لوگ اپنے حالات سے مڈبھیڑ کرتے ہیں اور اسی وقت ہم اُن سے نبٹنے کے لیے مثبت یا منفی تدابیر اختیار کرتے ہیں، ہم ان حالات سے جنگ بھی کرتے ہیں، پیچھے بھی ہٹ سکتے ہیں، حالات کو ختم بھی کر سکتے ہیں ان کے سامنے ہتھیار بھی ڈال سکتے ہیں، ہم اپنے اندر ہمت اور جرأت بھی مجتمع کر سکتے ہیں اور ان حالات سے پیچھا چھڑانے کی خاطر بھاگ کھڑے بھی ہو سکتے ہیں، ہم اپنے مسائل یا مشکلات یا ناکامی سے نبٹنے کے لیے جو تدابیر اختیار کرتے ہیں وہ بڑی حد تک ہمارے ورثہ میں بھی ہوتی ہیں، لیکن زیادہ تر یہ ہماری اپنی مثبت یا منفی اقدام کا اثر ہوتا ہے جو اس سے نتیجے اخذ کرتا ہے اس لیے ہمیں مثبت قوتوں کے متعلق صحیح آگاہی ہونی چاہیئے اور منفی قوتوں کے خطرات سے واقفیت رکھنا چاہیئے تاکہ ہم اپنی زندگی میں صحیح توازن پیدا کر سکیں۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ ایسے چار طریقے ہیں جن سے ہم اپنی مشکلات

سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں، ان میں دو طریقے مثبت اثرات کے حامل ہیں اور انھیں بلاواسطہ یا بالواسطہ، مثبت اثرات کہتے ہیں ان میں دو طریقے منفی اثرات کے حامل ہیں اور وہ مسائل سے یا تو نبٹنے کی ہمت چھین لیتے ہیں یا ٹال مٹول پر اتر آتے ہیں، ہم میں سے ہر شخص وقتاً فوقتاً ان چاروں طریقوں سے ممکن ہے اپنے مشکلات کا سامنا کرتا ہو، لیکن اگر دونوں منفی اثرات زیادتی کے مرتکب ہو گئے تو اس سے یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ ہم مکمل تباہی کی جانب چل پڑے ہیں بہت دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ منفی اثرات ہمیں آسان ترین راہ سجھاتے ہیں لیکن اگر ان اثرات نے زیادتی اختیار کر لی تو ہم ناکامی کے ایسے غار میں جا گریں گے جہاں سے نکلنا ناممکن ہو گا۔ آپ نے عام طور پر ان چار طریقوں میں سے اپنے مسائل کے ساتھ نبٹنے کی خاطر کون کون سے طریق استعمال کئے ہیں۔

۱۔ آپ سیدھی اور مثبت راہ عمل اختیار کرتے ہیں آپ اپنے مسائل کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں لیکن یہ بند ملتا ہے۔ آپ اسے کھولنے کی تدابیر کے متعلق سوچتے ہیں یا آپ اس کے اندر کسی دوسرے راستے سے پہنچ جاتے ہیں اسے پُر اعتماد غیر محتاج اور براہ راست مثبت طریقہ سے مسائل پر حملہ کرنا کہتے ہیں یہ حملہ پہلے حقائق کا سامنا کرتا ہے پھر اُن کا تجزیہ کرتا ہے مشکلات کا مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے پیہم عمل کی طاقتوں سے تمام رکاوٹوں کو مسمار کر دیتا ہے، آپکو اپنے مقصد کا علم ہے آپ اسے مانگتے ہیں اور مثبت اقدام اٹھا کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ درست ہے کہ اس طرح کے بے دھڑک اقدام بعض موقعوں پر

ذراسی احتیاط کے بعد اور پختگی اختیار کر لیتے ہیں، کیونکہ ایسے م غیر دانش مندانہ اور غیر فیصلہ کن ہونے کی صورت میں بہت زیادہ مضرت رساں بھی ہو سکتے ہیں، اگر ایک سپاہی ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دشمنوں کے ہجوم پر لوٹ پڑنے کی کوشش کرے گا تو اس کا لازمی نتیجہ اس کی موت ہوگی۔ حقیقتاً اس دنیا میں ایسے افراد جو خود اعتمادی اور غیر محتاجی کے احساسات کی زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں وہ دنیا سے رن لینے کی ٹھان لیتے ہیں اور اپنی تباہی کو دعوت دیتے ہیں لیکن ایسی خود بینی اور غیر محتاجی جو اندرونی آنچ سے معمور ہوتی ہے شاذ و نادر دیکھنے میں آئے گی، آج کے زمانے میں ہر ذی ہوش انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر قطعی، ٹھوس اور مثبت قسم کی خود بینی کی پرورش کرے جو اسے رزم گاہِ حیات میں ہمیشہ فتح و ظفر سے ہم کنار کرے گی۔

براہ راست اور مثبت قسم کے اقدامات کے لیے ڈوائٹ ڈی آئزن ہاور کی زندگی مثالی حیثیت رکھتی ہے، اگر وہ منفی قوتوں کے نیچے دبے ہوئے ہوتے تو آج وہ اُن فتوحات سے محروم ہوتے جو انھیں غیر ملکوں میں حاصل ہوئیں آئزن ہاور جب یورپین تھیٹر آف آپریشن کے کمانڈر جنرل کے عہدے پر فائز ہوئے، اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کا ایک واقعہ اپنی کتاب "یورپ میں صلیبی جنگ" میں بیان کرتے ہیں، جنرل آئزن ہاور پہلی بار وائٹ ہاؤس میں صدر روزولٹ اور وزیرِ اعظم چرچل سے ملنے گئے، جنرل آئزن ہاور

کہتے ہیں " افریقی صحرا کا علاقہ تو برک ابھی ابھی جرمنوں کے تسلط میں چلا گیا تھا اور تقریباً تمام یوروپی ممالک پر غم و افسردگی کی لہر دوڑ گئی تھی لیکن ان دو قائدین کے چہروں پر افسردگی کا نام و نشان تک نہیں تھا اور یہ بات مسرت خیز تھی کہ وہ حملے اور فتح کے متعلق سوچ رہے تھے، دفاع اور شکست کے متعلق نہیں!"

جنرل آئزن ہاور کی اس گفتگو سے ہم منفی اور مثبت طریق کار میں پوری طرح امتیاز کر سکتے ہیں، ان کا یہ کلیہ آج فوجی کامیابی کے لیے مشعل راہ ہے جنرل آئزن ہاور نے اس جذبے کو ان الفاظ کے قالب میں تشکیل دیا" ذرا اور اسی تفصیل پر غور کرنے کے بعد موت کی طرح ٹوٹ پڑو"

اسی مثبت اقدام کو مشہور مصنف ایچ۔ جی۔ ویلز نے بھی پہچانا تھا۔ اور وہ اپنی معرکتہ الآرا تصنیف "خود نوشت سوانح عمری" میں اپنی زندگی کے دو راہنما اصول کو بیان کرتے ہیں، پہلا اصول یہ ہے " اگر آپ کچھ حاصل کرنے کے متمنی ہیں تو اسے لیکر چھوڑ دیجئے، اور نتائج کو چولہے بھاڑ میں جانے دیجیئے" دوسرا اصول یہ کہ" اگر یہ زندگی آپ کے لیے تسکین بخش نہیں تو اسے بدل ڈالیئے، خشک اور افسردہ زندگی کا ایک لمحہ بھی اپنی زندگی میں شامل نہ ہونے دیجیئے؛ کیونکہ آپ کو اگر کوئی سب سے بھیانک اور بدتر چیز سے سابقہ پڑیگا تو وہ شکست ہی ہوگی۔۔؟ اور شکست یا موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے"

زندگی کے مثبت اور براہ راست اقدام کی قدر الیزبتھ آرڈن کو بھی معلوم تھی، جنھوں نے اپنی جان توڑ کوششوں سے اپنا کاروبار چمکایا اور

آج ان کا نام بہترین قسم کی خوشبویات اور روغنیات و مرکبات کی تیاری کے سلسلے میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکا ہے وہ اپنے ملازمین کو ہمیشہ ٹھوس اور قطعی اقدامات کے لیے اکساتی ہیں۔ انھوں نے ایک بار اپنے ملازمین سے کہا "اس دنیا میں زندگی گذارنے کے لیے آپ کو کام کرنا پڑے گا۔۔۔ کام ۔۔۔ کام ۔۔۔"

مثبت اقدام کا ثمر بچوں کو بھی مل کر رہتا ہے۔ فرینک موزلے نے ایک بار ایک بچی کو اونچے احاطے کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا، اس کی گیند احاطے کے پار گر گئی تھی۔ گو احاطے کی دیوار بہت اونچی نہیں تھی لیکن وہ بچی ابھی بہت کم سن تھی۔ فرینک موزلے کہتے ہیں اسے اس دنیا میں آئے ہوئے یہی کوئی چھ ماہ ہوئے تھے۔ "اسے صرف چند الفاظ بولنا آتے تھے اور اسے اس قسم کے احاطے کی دیواروں کے متعلق کوئی تجربہ نہ تھا

"میں نے اس بچی کی مدد کرنا چاہی، لیکن میری ماں نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر مجھے ایسا کرنے سے روک دیا۔

"یہ کام اسے خود ہی کرنے دو" اماں نے بڑی خوش خلقی سے کہا

"لیکن دیوار بہت زیادہ اونچی ہے"

"ٹھیک ہے لیکن بچی یہ بات نہیں جانتی" اماں بولیں "بچوں میں سب سے پیاری صفت یہی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے کام کرنے کے متمنی ہوتے ہیں جو ناممکن ہوتے ہیں اور بعض دفعہ واقعی انھیں ممکن کر دکھاتے ہیں، وہ ہمیشہ چاند کی طرف

ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور شاید ان ہی ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بچوں میں سے ایک بچہ چاند کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ لے تو عجب نہیں۔

"اس عرصہ میں بچی نے اپنی ننھی سی کرسی کو لا کر احاطے کی دیوار کے برابر لگا دیا اور دیوار کے اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی، لیکن جب بچی نے دیکھا وہ اب بھی دیوار پر نہیں چڑھ سکتی تو اس نے کرسی کے اوپر ایک صندوق رکھ دیا اور بہت زور لگانے کے بعد وہ کسی طرح اپنے آپ کو اوپر چڑھا دیا، ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا اور دوسرے ہی لمحہ بعد وہ دیوار کے اس پار جست لگائی، گیند کو اٹھا لیا اور ہم لوگوں کی طرف فتحمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

احاطے کی دیوار بچی کے لیے بہت زیادہ اونچی تھی لیکن اسے اس بات کا علم نہیں تھا۔"

ایسے مرد اور عورتیں جو باہمت ہیں اور اپنے فیصلے میں مستحکم رویہ روا رکھتے ہیں، جن کا ذہنی افق صاف رہتا ہے، دراصل کچھ وہی لوگ اپنے مسائل سے مثبت انداز سے آمادۂ پیکار ہونا جانتے ہیں۔ یہ سیدھا سا اقدام خاص طور پر ان معاملوں میں زیادہ قدر و قیمت اختیار کر لیتا ہے، اگر ان سے صحیح طور پر کام لے کر اپنے مسائل کا تجزیہ کیا جائے اور اپنی مقصود و مراد کو حاصل کرنے کے لیے تعمیری پروگرام مرتب کیا جائے، یہی صفت ہمیں ان منفی اقدامات سے باز رکھ سکتی ہیں جو ہمارے تعمیری کاموں میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ مثبت

دماغوں کے مالک افراد وہ ہیں جو قوتِ فیصلہ کے مالک ہوں اور جو اپنے مقصود و مراد کو پا لینے کے لیے ٹھوس اقدام کرتے ہوں ایسے لوگ اس سے زیادہ کامیابی اور فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر وہ دوسروں سے معاملہ کرنے پر نیم مثبت قوتوں کو استعمال کرنے سے گریز کریں جو ان کی قوتِ عمل کو کسی حد تک سست بنا دیتی ہے

۲۔ اگر آپ بالواسطہ یا متبادل، نیم مثبت اقدام سے کام لیتے ہیں تو آپ اپنے مسائل کے دروازے تک سیدھے پہنچنے اور براہ راست اور ٹھوس انداز میں ان کا سامنے کرنے کی بجائے آپ چور دروازوں اور کھڑکیوں میں جھانکتے پھرتے ہیں، آپ دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں کہ وہ آپ کے مسائل کی سنگین دیواروں کو سر کریں کیونکہ ان میں آپ سے زیادہ مثبت قوتیں موجود ہیں۔

ایسے بہت سے لوگ ہیں جو ہیرا پھیری کے اُستاد ہیں اور یہ بھی ایک بہت بڑی صفت ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کیونکہ اس قسم کے بالواسطہ اقدام کو کم خطرے کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بشرطیکہ ان کا عقل مندی سے استعمال کیا جائے، اس قسم کی بالواسطگی دوسرے انسانوں کو ایک خاص قسم کی خود ستائی بخشتی ہے، بالواسطہ قسم کا اقدام سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا جا رہا ہو یا اس پر حکم چلایا جا رہا ہو اور کسی کام کے لیے مجبور کیا جا رہا ہو، لیکن بالواسطہ قسم کا اقدام اس کے

اندر یہ احساس پیدا کر سکتا ہے کہ وہ خود کسی کام کو اپنی مرضی کے مطابق کر رہا ہے اس قسم کے لوگ چونکہ منفیانہ رجحانات کے حامل ہوتے ہیں لیکن وہ خود کو چونکہ پوری طرح اہل سمجھنا چاہتے ہیں اس لیے ایسے بہتر سے لوگ ملیں گے جو اپنے خیالات وعمل کو دوسروں کے اثرات کے تابع بنانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، آپ کے مسائل میں عام طور پر دوسرے لوگ اس طرح متعلق ہوتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا چاہتے ہیں کہ بالواسطگی اکثر کشیدگی اور مخالفت کے زور کو گھٹا دیتی ہے۔

مثال کے طور پر ایک بیوی اپنے شوہر سے یہ کہے کہ "خدا کے لیے جا کر کھانے سے پہلے اپنی شیو بنا لیجئے" تو یہ عمل ممکن ہے تنازعہ کی صورت اختیار کرے یا اس کا کوئی نتیجہ ہی بر آمد نہ ہو لیکن اگر وہ بالواسطگی کو استعمال کر کے یوں کہے کہ "کھانے سے پہلے آپ کے لیے شیو کرنے کو کافی وقت پڑا ہے، اور پھر شیو کے بعد آپ خود کو تازہ محسوس کریں گے" تو آپ کے خیال میں یہ عمل کیسا رہے گا۔

دنیا میں ایسے بے شمار مرد اور عورت بستے ہیں جن کے قوت متخیلہ کی رفتار اتنی سست اور منفیانہ ہے کہ وہ یکدم بیٹھے بٹھائے اپنے بے بنائے ارادے کو از خود ترک کر دیں گے اور خوف وہراس اور سب سے پہلے اپنے تحفظ کے خیال سے فوراً "نہیں" کہہ دیں گے، احساس تقریباً ہمیشہ خیال کو مقدم بناتی ہے اور جو شخص اپنے احساسات و خیالات کو

ہم آہنگ کر کے اس میں تھوڑی سی قوت فیصلہ اور عمل کو راہ دے دیتا ہے، وہ شخص بلاشبہ صحیح معنوں میں پختہ کار اور مثبت اوصاف کا مالک ہوگا، ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بہت بڑے تاجر نے مجھے بتایا کہ اس نے اپنے حصہ دار کو کسی تجویز کے متعلق بحث کرنے کا دوستانہ طور پر مشورہ دیا دوسرے روز وہ حصہ دار یکایک کیاب ہو کر اپنے وکیل کے ساتھ اکھڑ اور گنوار انداز میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے آ نازل ہوا، مفاہمت کے دروازے بند ہو چکے تھے، اگر حقیقتاً دیکھا جائے تو ایسے کوئی حقوق نہیں تھے جو بحث یا تبادلۂ خیال کے بعد محفوظ نہیں رہ سکتے تھے، بلکہ اس بحث سے عین ممکن تھا کہ ان دونوں حصہ داروں کو کوئی فائدہ ہی پہنچتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں کو اتنے شدید نقصانات اٹھانا پڑے جن کی وہ تا عمر تلافی نہ کر سکے، اس تاجر کا کہنا ہے کہ اسے اپنے حصہ دار کے متعلق اس حقیقت کا پہلے علم نہیں ہوا تھا کہ اس کے دل کے اندر خوف اور نا اعتمادی نے اس طرح جڑ پکڑ رکھی تھی۔ جو ان احساسات کے ساتھ ہی وہ منفی فیصلے اور عمل پر آن پہنچا اور اس نے احساس اور خیال کے درمیان ہم آہنگی نہیں پیدا ہونے دی اور اس لیے اس نے اس تجویز کے امکانات کو نہیں سنا، وہ تاجر اب خود اپنے آپ کو کوستا ہے کہ اس پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح تھی کہ اس کے حصہ دار کو کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے دو تین سال کا عرصہ درکار ہوا کرتا تھا اور وہ حصہ دار بعد کے کچھ مثبت خیالات کے سبب یہ محسوس کرنے لگا کہ اس نے مفاہمت کے دروازے

کو اتنے زوروں سے بند کر دیا تھا کہ اسے کھولنے کے لیے ایک بہت بڑے آدمی کی ضرورت تھی اور وہ خود اس قسم کے بڑے آدمی ہونے کی اہلیت سے محروم ہے منفی طریقۂ عمل سب سے زیادہ تباہ کن چیز ہے۔

۴۔ آپ اپنے مسائل سے پیچھا چھڑا کر بھاگتے ہیں یا پسپا ہو جاتے ہیں تو یہ منفی قسم کی بات ہے، مسائل سے نپٹنے یا مقابلہ کرنے کا یہ طریقہ بظاہر سب سے زیادہ آسان ہے وہ جو کسی نے کہا ہے " جو شخص مقابلے سے ڈر کر بھاگ جاتا ہے، اسے پھر ممکن ہے دوسرے روز مقابلہ کرنا پڑے" حقیقتاً بعض حالات میں محض ایک احمق ہے جو بھاگ کھڑا ہو سکتا ہے لیکن عام طور پر پیچھے ہٹنا ایک خطرناک قسم کی پسپائی ہے یہ ایک ایسی راہِ فرار ہے جو ایک ایسی جگہ پہنچا دیتی ہے جہاں مثبت عمل کا قطعاً گذر نہیں ہوتا۔

اس قسم کی راہِ فرار اگر شدت اختیار کر گئی تو زندگی کی ایک عادت بن جاتی ہے، فراریت تمام احساس اقتدار اور تحفظ کے تمام احساسات کو اتار پھینکتی خائف خرگوش ذرا سی دھمکی پر سر کے اوپر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے خرگوش تو بھاگنے کا اتنا عادی ہوتا ہے کہ اس کا اڑان ہی خوف کو اتنا دو چند کر دیتا ہے کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور کسی کونے گوشے میں خوف سے سہما ہوا تقریباً مردنی کے عالم میں ڈوب جاتا ہے۔

خرگوش نما انسان بھی اپنے خوف کی دہشت سے ممکن ہے طرح ڈر کر بھاگ کھڑے ہوں لیکن انکا بھی انجام یہی ہوگا کہ خوف سے ان کا خون خشک ہو

جائے گا اور وہ بھی اسی طرح بے یار و مددگار کسی کونے گڑھے میں موت کا انتظار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، اس قسم کے خرگوش نما انسان دوسرے سے منھ چھپاتے پھرتے رہیں اور اپنے مسائل سے پہلو تہی کرنے کے عادی ہوتے ہیں انھیں خلل اعصاب واقع ہو جاتا ہے وہ اپنی ذمہ داریوں رشتہ داروں اور احباب سے اپنے تعلقات منقطع کر لیتے ہیں، وہ خیالی پلاؤ پکانے لگتے ہیں جس کا ذکر با تفصیل بعد کے باب میں آیا ہے، اس قسم کے خوابوں خیالوں میں بسنے والے لوگ خود کو بے پناہ اہلیتوں کا مالک تصور کرتے ہیں حالانکہ وہ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے لاحاصل ہوتے ہیں وہ زندگی بھر ڈرے اور سہمے ہوئے انداز میں جھوٹے بہانے بنانے کے عادی ہوتے ہیں وہ اکڑ کر چلتے ہیں اور خود کو یہ جھالنسہ دیتے ہیں کہ وہ اس طرح دوسروں کو بے وقوف بناتے رہیں حالانکہ وہ خود بے وقوف بن رہے ہوتے ہیں وہ کبھی اس حقیقت کا سامنا کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ ذی العقل اور معقول لوگ ان کی بناوٹ کو بیک نظر پہچان لیتے ہیں اور انھیں بہانہ ساز تصور کرتے ہیں اور ان کی حالت پر رحم کھاتے ہیں، وہ باؤلی والے خرگوش نما انسان، حالات سے فرار ہونے کی ترکیب کو اس قدر اپنا لیتے ہیں، جہاں وہ مکمل طور سے زندگی سے فروگش ہو جاتے ہیں، اور خود کو سانپ کے گڑھے میں پاتے ہیں اور یوں بننے کی کوشش کرتے ہیں جیسے وہ خدا یا نپولین ہوں۔ جی ہاں، معذرت طریقہ زندگی اس سے بھی زیادہ ہلاکت انگیزی کا موجب ہو سکتا ہے۔

زندگی کی حقیقتوں سے ایسے مغرور لوگ اپنے اندر اپنی دل پسند بیماریاں گڑھ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر فلینڈرز ڈنبار اپنی کتاب "ذہن اور جسم" میں ان پالتو بیماریوں کو "محبوب روگ" کے نام سے پکارتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ عظیم سیاست دان، مدبر گلیڈ اسٹون اپنے اوپر اکثر تپ لرزہ کی کیفیت طاری کر لیتے ہیں یہ تپ لرزہ کوئی تخیلی نہیں ہوتا بلکہ واقعی ان کے اعصاب کو خاص بیماری کی طرح جکڑ لیتا ہے اس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ سامعین کے بہت بڑے ہجوم کے سامنے تقریر کرنے کی زحمت سے خود کو بچانے کیلئے یہ بیماری طاری کر لیتے تھے، نوجوان اور بچے بھی سکول جانے کے ڈر سے، دفتر جانے کی زحمت سے بچنے کے لیے اور دوسرے مسائل سے فرار اختیار کرنے کے لیے دردِ سر اور پیٹ کے درد وغیرہ کی بیماریاں پیدا کر لیتے ہیں۔

اس قسم کی فراریت آہستہ آہستہ انسان کو طاعت کیش بنا دیتی ہے وہ بغیر مقابلہ آزمائی کیے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ وہ اس قسم کا پاانداز ہوتا ہے جسے دروازے کے سامنے بچھا دیتے ہیں اور جس کی پشت پر "خوش آمدید" کی عبارت لکھی ہوتی ہے وہ شاید اس بات کو محسوس کرنے کی زحمت نہیں اٹھاتا کہ لوگ پاانداز کو دروازے کے سامنے بچھاتے تو ضرور ہیں لیکن اس کا احترام نہیں کرتے، اس کا کمزور، نامراد اور منفی خصوصیات بزدل انسان بمشکل کسی کام میں ہاتھ ڈال سکتا ہے۔

۴۔ اگر آپ کھٹے انگوروں پر قناعت کر جاتے ہیں، معاملے سے پہلو تہی

کر جاتے ہیں تو یہ بھی ایک منفی خصوصیت کی دلیل ہے، آپ اپنی خواہشات کا مشاہدہ تو کر لیتے ہیں، لیکن بالواسطہ کسی بھی طور اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے، آپ صرف یہ کہہ دیتے ہیں" اوہ ہٹاؤ، مجھے اس کی اتنی ضرورت نہیں پڑی ہے اور پھر اسے حاصل کر کے ہی کیا ہو گا۔

میں نے خود آپ کو دوسروں کے بارے میں اس بے ساختگی سے اتنے سارے لطیفے سنا ڈالے ہیں، لیکن اب میں آپ کو خود اپنا ایک لطیفہ سناتا ہوں "جب میں بچہ تھا تو میں ایک شخص سے دل ہی دل میں نفرت کرتا تھا اسے لوگ" محفلوں کی روح رواں" کہا کرتے تھے وہ لوگوں کو عجیب و غریب باتیں سناتا، ان کے دل موہ لیتا اور اس کی شخصیت سبھوں کے اوپر حاوی ہو جاتی وہ شخص مجھے اندرونی طور پر اچھا لگتا تھا لیکن میں خود سے یہی کہتا' میں اپنی شخصیت کا مظاہرہ اس کی طرح نہیں کروں گا، میں تو کم آمیز ہوں ——— میں تو ثقہ ہوں ——— میں محفل کی روح بننا نہیں چاہتا" جب مجھے مثبت طریق زندگی کی بے پناہ قوتوں کی آگاہی ہوئی اور منفی طریقوں کی بے ثمری کا علم ہوا تو پھر مجھے احساس ہوا کہ میں اسے تمام عرصے تک دونوں ہاتھوں سے کھٹے انگور منہ میں ڈالتا رہا، حقیقتاً میں ان صفات پر دل ہی دل میں رشک کرتا تھا جس سے میں خود محروم تھا، کیونکہ میرا نقطۂ نظر منفی تھا، لیکن آج ہمارے ملک آزاد میں لوگ دونوں ہاتھوں سے منہ بھر بھر کر کھٹے انگور چبا رہے ہیں۔

۵۔ اگر آپ اپنی آزادی کی خوش فہمی میں مبتلا پڑے ہیں تو آپ مکمل طور پر پھر بے بضاعتی اور اطاعت کشی کے شکار ہیں، آپ کامیاب مطمئن اور مثبت قسم کی شخصیتوں کے جوتوں کے گرد اپنی چھوٹی سی آزاد شخصیت کی دم ہلاتے ہوئے نظر آئیں گے، آپ کی یہ صفت آپکو چاپلوس اور خوشامدی اور "میں بھی" قسم کا کردار بنا دیتی ہے اور آپ دوسروں کے گرد اس امید پر منڈلاتے نظر آتے ہیں جیسے کسی جادو یا سحر کے زور سے دوسرے کی مثبت اور ڈیننگ قسم کی شخصیت کا پرتو آپ کے اندر حلول ہو جائے گا، آپ نے اس قسم کے لوگوں کے متعلق اکثر و بیشتر اشتہارات پڑھے ہوں گے جو تھیٹر کے اندر سر کے بل کھڑے رہتے ہیں اس قسم کی شخصیت کی مثال ٹھیک اس آدمی کی مانند ہے جس نے ایک ایسے آدمی سے مصافحہ کرنے کے لیے ہیم تک دو کی، جس نے جون، ان سلیوان جیسے عالمگیر شہرت یافتہ پہلوان سے ایک بار مصافحہ کیا تھا۔

آپ ایک ایسی دنیا میں بے بسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں "جیسے آپ نے کبھی نہیں بنایا" آپ اپنی بے بسی کے احساس سے چیخ کر کہتے ہیں "میں کمزور ہوں بے بس ہوں، کاش کوئی میرے لیے اس دنیا کو سیدھا کر دیتا" آپ اپنے ماحول اور اس کے تغیر سے یکسر خائف ہوتے ہیں، آپ اپنی محبوب نظر کی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے دوسرے مضبوط شخص کے سہارے کی اوٹ لیتے ہیں آپ اپنے خاوند یا بیوی یا دوسروں کے خاوند یا بیویوں کے متعلق جذباتی

بلیک میلنگ کی کوشش کرتے ہیں، آپ تصور پذیر جذباتی رہوتے ہیں اور ہر دم تصورات میں کھوئے رہتے ہیں اور پھر آپ خود کو اپنی آزادی کے احساس کے تحت مجرم محسوس کرنے لگتے ہیں اور غالباً دل ہی دل میں اندیشوں میں گھرے ہوتے ہیں کیونکہ آپنے ہتھیار ڈال دیا ہے آپ کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت تک اپنے اندر بے نیازی محسوس نہیں کریں گے جب تک آپ مبذت طریقے سے اس کے حصول کے لیے جنگ نہیں کرتے، لیکن آپ کو تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ سرے سے کسی قسم کی کوشش ہی نہیں کریں گے اور ان سب وجوہات کے سبب آپ گنبہ پروری اور بداندیشگی کے دائمی مریض بن جاتے ہیں اور آپ کو ہر لمحہ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کسی وقت آپ کا یہ ملمع اُتر نہ جائے اور آپ یہ امید لگائے بیٹھے رہتے ہیں کہ آپ کا شیوہ "آزاداں" آپکو دوسرے لوگوں کی نظر میں اونچا کر دے گا لیکن آپ کو ہر لمحہ یہ خوف رہتا ہے کہ آپ کی یہ توقع کبھی پوری نہیں ہوگی اور آپ کی قوتِ پیکار کم سے کم ہوتی جاتی ہے اور آپ خود میں سے کم سے کم یقین کرنے لگتے ہیں اور اس طرح یہ منفی آزادی آپ کی لاحاصل زندگی کا ایک اسلوب سی بن جاتی ہے۔

اس قبیل کی ایک تشریحی تصویر پیش کرتا ہوں، جو ایک شمالی باشندہ اپنے تجربات کو بیان کرتا ہے، شمالی باشندے کو پہلی مرتبہ ڈیپ ساؤتھ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں سے ایک کتے کی ایسی خوفناک اور لرزہ خیز چیخ

سنائی دی، جیسے اس کی ہڈی پسلی توڑ دی گئی ہو، اس شمالی باشندے نے وہاں کے ایک مقامی آدمی سے دریافت کیا:

"کیوں بھئی، آپ کو اس کتے بے چارے کی چیخ سنائی نہیں دیتی وہ کس کرب سے چیخ رہا ہے آپ آخر اس کی مدد کیوں نہیں کرتے"؟

"ہونہہ" مقامی باشندے نے بڑے بے تعلقی سے جواب دیا "اس کُتے کو کوئی تکلیف نہیں ہے، کم بخت جھاڑی کے اندر جا پھنسا ہے اور اس قدر کاہل الوُجود ہے کہ وہاں سے ذرا سا سرکنے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا"

علاوہ ازیں اگر کوئی شخص اس کتے کی مدد کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا بھی دیتا تو وہ کتا اس ہاتھ کو کاٹ کھاتا۔

لیکن ان ہی کے برعکس ایسے مثبت وصف کے لوگ بھی ہیں جو بہتر سے بہتر کے لیے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں، فریڈ فرج ہمیں ایسے ایک کے متعلق ایک واقعہ سناتے ہیں جب وہ فلیپائنز کے جزیرہ لوزوں میں گئے تو وہاں وہ ایک روز اپنے خیمے کے باہر بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک مقامی چھوکرا ناریل اسے لے کر ان کے سامنے آیا۔

"کیوں جناب آپ ناریل کھائیں گے"؟ اس نے پوچھا۔

"میں نے اس سے کہا، ہاں کھاؤں گا، چنانچہ اُس نے مجھ سے چاقو لیا اور سامنے ہی قریب ایک ناریل کے جھنڈ کی طرف چلا گیا، میں بیٹھا ہُوا

اسے دیکھتا رہا کہ وہ سب سے لمبے درخت کی تلاش میں ہے۔ پھر اس نے ایک لمبا درخت چنا اور بندر کی سی پھرتی کے ساتھ وہ اونچے درخت پر چڑھ گیا، تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں نہایت عمدہ قسم کے بڑے بڑے ناریل تھے۔

" جیسے ہی وہ آلتی پالتی مار کر زمین بیٹھا اور ناریل کو کھولنے لگا میں نے اس سے پوچھا "

" کیوں میاں! تم سب سے اونچے درخت پر کیوں چڑھے؛ ناریل تو سارے ہی درختوں پہ تھے، کیا عمدہ قسم کے ناریل صرف اونچے ہی درختوں میں ہوتے ہیں"!

" ارے نہیں جناب" اس نے جواب دیا، بات یہ ہے کہ عمدہ قسم کے ناریل اونچے درختوں پر زیادہ رہتے ہیں"

زندگی کی بہترین نعمتیں بھی حدِ رسائی کے سب سے اونچی شاخ پر ہی ہوتی ہے اور وہ ان محنت اور صریح قسم کے لوگوں کا انتظار کرتی ہیں کہ وہ ہاتھ بڑھا کر انھیں حاصل کریں، زندگی کے رس بھرے سالم پھل ہماری حدِ رسائی میں ہوتے ہیں اور زندگی کے بہترین ناریل اونچائی پر ہوتے ہیں اور عین حدِ رسائی میں البتہ اگر ہم انھیں حاصل کرنے کے لیے محنت قوتوں کو آمادہ پیکار کریں۔

بیشتر اوقات ہم زندگی کے بہترین پھل زیادہ نہیں لیتے، کیونکہ ہم خلکست کی ایک عادت اختیار کر لیتے ہیں، ہم یہ بھی سوچتے ہیں کہ دوسروں کو چاہیئے

کہ وہ ان میں سے اپنا پورا حصہ لیں، لیکن جب ہماری باری آتی ہے تو ہم پیچھے ہٹ جاتے ہیں یہ ایک نہایت ذلیل قسم کی قناعت ہے اور اس کا سبب بہت حد تک یہ ہے کہ ہم نے پہلے ہی سے اپنے اوپر سخت قسم کی پابندیاں عائد کر رکھی ہوتی ہیں۔

بعض اوقات ہمارے اندر نوجوانی کے زمانے کے پرورش یافتہ جذباتی بندشیں ہمیں غیر شعوری طور پر اپنے امکانی قوتوں کا احساس نہیں ہونے دیتیں، ایسی بھی مثالیں بکثرت پائی گئی ہیں کہ بعض اوقات ہمیں اپنے اندر کی ان منفی بندشوں کا سبب دریافت کرنے کے لیے جو ہمیں محبوس رہنے پر مجبور کرتی ہیں، ماہرین نفسیات کی مدد حاصل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن بیشتر ہم اپنے مسائل کو خود اپنے آپ پر آشکارا کر سکتے ہیں، اگر ان چار اقدامات کا بغور مطالعہ کیا جائے جو اس باب میں بتائے گئے ہیں، تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ غیر شعوری طور پر منفی قوتوں میں سرک جاتے ہیں اگر آپ اپنی کامیابیوں پر ایک نظر ڈالیں گے تو آپ از خود محسوس کریں گے کہ آپ نے پہلے اور دوسرے قسم کے مثبت اقدامات کو استعمال کر کے حاصل کیا ہے اس کے برعکس اگر آپ اپنی پچھلی ناکامیوں اور محرومیوں کی طرف پلٹ کر دیکھیں گے تو آپ کو بخوبی احساس ہو گا کہ اُن دقتوں میں منفی قوتوں کا آپ کے اوپر زیادہ عمل تھا۔

اگر آپ آئندہ کبھی اپنی محرومی پر جھلا اٹھیں تو یہ سوچنا شروع نہ کر

وہیں کہ آپ میں اپنی تمنا کو حاصل کرنے کا فقدان ہے اور آپ اس معاملے میں بے بضاعتی کے شکار ہیں تو اپنے آپ سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھئے اور ان کا نہایت ایماندارانہ جواب تلاش کیجئے :

۱ : کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی ناقابلیت کا احساس میرا خود ساختہ ہے ؛

۲ . کہیں ایسا تو نہیں کہ میں جن رکاوٹوں کا تصور کرتا ہوں وہ محض میرے تصورات کے خود ساختہ بھوت تو نہیں ؛

۳ : میں نے پہلی دفعہ یہ کب محسوس کرنا شروع کیا کہ مجھ پر اس خاص مقصد کے حصول کی صلاحیت نہیں ان احساسات اور اثبات جرم کو پیدا ہونے کا کیسے موقع ملا اور کیا ان احساسات میں ابھی تک یقین رکھنے کے لیے میرے پاس کوئی معقول وجہ ہے ۔

۴ : کیا میں نے اس کام کو کرنے کا کبھی واقعی بیڑہ اٹھایا ہے جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ کبھی نہیں کر سکوں گا ؛ اگر میں نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی تو کب کی تھی ؛ اگر میں نے پہلے ایسی کوشش نہیں کی تو اب کرنے میں اور واقعی عملی طور پر کرنے میں کیا حرج ہے ، میں کوشش کرنے سے قبل خود کو کیوں شکست دوں اور اگر میں نے پہلے کبھی ایسی کوشش کی اور اس میں ناکام ہوا تو ان میں سے چند ایک یا تمام کے تمام اسباب کو یکسر ختم نہیں کیا جا سکتا ، اگر میں نے اس قسم کی کوشش کی ہے تو کیا واقعی وہ کوئی زوردار کوشش تھی یا محض نیم دلی سے اسے کرنے کی کوشش کی تو اور سمجھ بیٹھا تھا کہ گوہر مقصود خود بخود میری گود میں آن گرے گا ؛

۵۔ کیا اس مقصد کو واقعی عملی طور پر حاصل کرنے سے میرے اعصابی نظام مجھے رنج و خدشات کا شکار تو نہیں بنا دیتے، اور اگر ایسا ہے تو مجھے واقعتاً کون سا خدشہ لاحق ہے؟ یہ خدشات آئے کہاں سے؟ اور کیا واقعی ان کی کوئی حقیقت بھی ہے یا محض بے بنیاد قسم کے خدشات ہیں جو ہمیں کسی عملی اقدام پر آمادہ نہیں ہونے دیتے۔ مَیں اگر اس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں تو مجھے اس سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اگر مَیں نے اس کام میں ہاتھ ڈالا اور واقعی اسے کامیابی سے سر انجام دے دیا تو کیا اس سے میرے بنے بنائے اعتقادات اور مفروضات اور عافیت کوشی کو جس کا میں عادی ہو چکا ہوں کوئی ٹھیس پہنچے گی؟ کیا میرا یہ عمل میرے خود پسندی کے احساس کو اور فزوں تر کرے گا یا امکانی ناکامی کا خیال مجھے اس مسئلے سے پہلوتہی کرنے کی ترغیب دے گا اگر مَیں اس کام کا بیڑہ اٹھالوں اور اسے کامیابی سے سر انجام دے دوں تو کیا اس سے میرے اوپر خواہ مخواہ کا بوجھ پڑ جائے گا، اور میری زندگی کے بنے بنائے اسلوب کو نقصان پہنچے گا؟

۶۔ کیا یہ درست نہیں کہ ان سوالات کے جواب دینے سے بہت حد تک میری خود ساختہ بندشیں یک قلم ختم ہو جاتی ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ مَیں نے ابھی تک اس مسئلے پر پوری طرح مثبت طریقے سے غور نہیں کیا تھا اور یہ کہ اپنے مسائل پر بھرپور حملہ کروں تو مجھے خاطر خواہ حل سوجھ سکتا ہے؟

ماہرین نفسیات نے اپنی پیہم کوششوں سے یہ عقدہ وا کیا ہے کہ ہم اپنے

روزمرہ زندگی کے معمولی معمولی مسائل کو حل کرنے سے اس لیے رہ جاتے ہیں کیونکہ ہم ان مسائل کا بھرپور تجزیہ نہیں کرتے، آپ چونکہ اپنے مسائل کا مکمل طور پر تجزیہ نہیں کرتے اس لیے آپ اس کا مناسب حل ڈھونڈنے میں ناکام رہتے ہیں، شکاگو میں مڈ ویسٹ سائیکلوجیکل ایسوسی ایشن کے ایک جلسے میں اپنے وقت کے عظیم ماہرین نفسیات اس بات پر متفق تھے کہ انسان اگر اپنے مسائل کے متعلق بھرپور تجزیہ کرے تو اسے اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈنے میں بے پایاں کامیابی ہوگی۔

اگر آپ کو ایک آسانی سے استعمال کرنے والا ایسا سائنسی نسخہ دیا جائے جو آپ کے پچاس فیصدی مسائل کے لیے فوری طور پر کارآمد حل دریافت کردے اور باقی پچاس فیصدی مسائل کے لیے آپ کو مناسب غور و خوض کی فضا مہیا کردے تو آپ کیا دیں گے؟ غالباً آپ اس کے لیے اپنا سب کچھ دینے کو تیار ہو جائیں گے، کیونکہ آپ کو سب سے قیمتی نعمت مل رہی ہے تو لیجیے یہ آپ ہی کا ہے ———— اگلے چند سطور میں آپ کو یہ چیز پیش کردی جائے گی، گرقیول افتد ———— اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ نسخہ بے حد سہل ہے۔

ذاتی مسائل کو حل کرنے اور تجزیۂ ذات کا یہ سہل نسخہ ایک تحفہ سمجھ کر قبول کیجیے جسے نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے شعبۂ نفسیات کے صدر رابرٹ ایچ. سی شور نے آپ کے لیے پیش کیا ہے، اس نسخے کی تدوین میں اپنے

وقت کے چوٹی کے ماہرین نفسیات اے. سی دال دو زمین کو ایک گریجویٹ طالب علم لسٹن ٹائم بھی شامل ہیں۔ یہ ماہرین اپنے تجربے کی بنا پر کہتے ہیں کہ یہ نسخہ خاص طور پر بڑے مسائل کو معمولی مسئلے میں تبدیل کر دینے میں خاص طور پر کارگر ہوا ہے اور جمود کو ختم کر کے اس جگہ عمل کی سریع الحرکت قوتوں کو بحال کر دیتا ہے، جس کی مدد سے انسان اپنے مسائل کے حل کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

تو اب میں بتاتا ہوں کہ آپ کو کرنا کیا ہے، آپ کاغذ کا ایک بڑا تختہ لیجئے اور اسے چار کالم میں تقسیم کیجئے، ہر کالم کے اوپر اس طرح لکھئے:

۱ : عام مقاصد۔

۲ : مشکلات اور فوائد۔

۳ : اُن کے حل۔

۴ : عمدہ حلوں کے نشانات۔

یہ لیجئے اب یہ آپ کے سامنے ہے اور اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں ماہرین نفسیات آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ دوستوں سے اس کے متعلق مشورہ کرنے یا مدد مانگنے میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے اور نہ ہی آرام کرسی پر بیٹھ کر ان معاملات کے متعلق بے مقصد خیالی قلابازیاں کھاتے رہیئے۔

ڈاکٹر سی شور کہتے ہیں کہ موضوع کو مسائل کے بالصراحت بیان کرنے پر اکساہٹ کی وجہ سے "نارتھ ویسٹرن سسٹم" نے تقریباً پچاس فیصدی

سے بھی زیادہ حل فی الفور دریافت کر دیئے ہیں دوسرے تین اقدام اس کاروائی کو بہت حد تک تخیلی بدنظمی سے پاک کر دینے کی وجہ سے پورا کر دیتے ہیں، کیونکہ خیالات کی بدنظمی ہی ہمارے قوت پرداخت کو کمزور کر دیتی ہے۔

بہت سارے لوگ جو کوئی منصوبہ مرتب کرتے وقت بے یقینی کے شکار ہوتے ہیں یا کسی کام کو شروع کرنے کی قوت نہیں رکھتے، ہمارا خیال ہے اگر وہ اس چار کالم والے تجزیے اور عمل کے منصوبے کو پورا کریں تو انہیں اپنے آپ میں یقینی طور پر بہت زیادہ اعتماد پیدا ہو جائے گا، پروفیسر وان دوزمین فرماتے ہیں " یہ چار کالم والا منصوبہ مستقبل کے لیے ایک نقشے کا کام دے سکتا ہے اور خدشات کے بجز ان کو دور کر دیتا ہے جس کے سبب لوگ اپنے مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

اس چار کالم والے پروگرام کی کامیابی کی مثال دیتے ہوئے پروفیسر دان دوزمین کہتے ہیں، ایک نوجوان خاتون جو کسی شبانہ درسگاہ کی طالبہ تھیں اپنے معاش کے سلسلے میں پروفیسر سے ملنے آئیں، اُن خاتون کا خیال تھا کہ ان کی قابلیت ان کی موجودہ پرائیویٹ سکرٹری کی نوکری سے بہت زیادہ بلند ہے۔

نارتھ ویسٹرن سسٹم کے استعمال سے اُن خاتون نے وہ چاروں کالم پر کر دیئے، انھوں نے "حل" کے عنوان کے نیچے یہ لکھا "پوری ہوشیاری سے قدم بڑھاؤ، دوسرے ہیر وائزروں سے مشورے لو، اپنا مطالعہ

جاری رکھو" اس خاتون نے اس سیدھے اور صاف منصوبے پر عمل کرنے کے بعد تمام چیزوں کو فہرست میں درج کر دیا۔ محض اسی چیز نے انھیں خود اعتمادی بخش دی، اس کے بعد انھوں نے اپنی کمپنی سے سپروائزر کی جگہ مانگی اور انھیں مل گئی۔

یہ قاعدہ حقیقتاً کارآمد ہے۔ یہ سیکڑوں دوسرے افراد کے کام آیا ہے، کوئی وجہ نہیں کہ یہی قاعدہ آپ کے کام نہ آئے، تو وہ کون سا مسئلہ ہے جو اس وقت آپ کے آڑے آ رہا ہے، نارتھ ویسٹرن سسٹم سے آپ بھی کام لیجیے اور اسے اسی وقت آزما کر دیکھیے۔

•

۴

عزم بالجزم

دنیا کا کوئی معرکہ اس وقت تک سر نہیں ہُوا، جب تک اس میں ٹھوس عمل کا دخل نہ ہو، آپ کی روزمرہ کی زندگی اور معاش بیشتر خود آپ کی قوتِ فیصلہ یا قوتِ فیصلے کی کمی سے تابع ہوتے ہیں، اُن کا بیشتر انحصار آپ کے عمل یا آپ کی اپنی تصدیق پر ہوتا ہے اور آپ کی قوتِ فیصلہ اور تاخیر و تعویق کی نذر ہو جاتی ہے۔ آج ہمارے لاکھوں کروڑوں ساتھی اپنی چھوٹی سی سہمی ہوئی بے حرکت دنیا میں دھکے کھاتے پھر رہے ہیں، کیونکہ ان لوگوں میں قوتِ فیصلہ کا فقدان ہے، اس وقت لاکھوں بندگانِ خدا بوجہ دماغی خرابی قوتِ ارادی کے ضعف میں مبتلا ہیں، اُن کا ذہنی نظام نامربوط ہوتا ہے اور اس لیے قوتِ ارادی یا تو کمزور پڑ جاتی ہے یا سرے سے ختم ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر بیگم ابیولیہ جگسٹپر، ایک نئی فراک خریدنے کا

جب فیصلہ کرتی ہیں تو اس میں ان کے دس دن برباد ہو جاتے ہیں، وہ اپنے میاں سے اس کے متعلق مشورہ کر لاتی ہیں اور اپنی سہیلیوں سے ٹیلیفون پر گفتگو کر کے اس مسئلے پر بحث کرتی ہیں آخر، بیسیوں دفعہ اپنے ڈھلمل یقین ارادوں سے بھنا کر دو، ایک فراک کی دکان میں جا پہنچتی ہیں اس وقت اُن کی ذہنی حالت بے حد متزلزل ہوتی ہے وہ درجنوں فراک دیکھ ڈالتی ہیں پھر اس کے علاوہ اور درجنوں دکانوں پر جاتی ہیں لیکن وہ اتنا فیصلہ نہیں کر پاتیں کہ بازوؤں والی فراک لی جائے یا بغیر بازوؤں والی، آخر وہ تھک ٹوٹ کر اپنے گھر لوٹتی ہیں اور اس کے متعلق ٹیلیفون پر وہ اپنی سہیلی منّی سے ذکر کرتی ہیں، منّی انہیں بازوؤں والی فراک کا مشورہ دیتی ہیں پھر وہ شام کے وقت اپنے میاں سے اس کا ذکر کرتی ہیں اور میاں انھیں زبردستی پکڑ کر ایک فراک والی دکان میں لے جاتے ہیں اور بیگم کو ایک سادہ سی صوفیانہ رنگ کی فراک خرید دیتے ہیں، جس کو پہن کر ان کی بیوی کم از کم کارٹون نہیں معلوم ہوتیں۔ اب اس وقت بیگم کی قوتِ فیصلہ کھٹائی میں پڑ جاتی ہے۔

——— لیکن کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ وہ فراک جو بیگم جنک ٹیئر خرید کر لائی ہیں، اب منّی اور دوسری سہیلیاں اس کی نقل کر رہی ہیں، وہ اس فراک کو بیحد پسند کرتی ہیں، لیکن پسند ہے، روز بعد بیگم صاحبہ اپنی اس فراک کو بھی دکان میں واپس کر آئیں اور پھر وہی پچھلے سال والا سیاہ فراک جب ہضم نہتی کر لیا اور اس کے اوپر طرہ یہ کہ موتیے کے زیور لاد بیٹھیں۔

یہ واقعہ بیگم جیکلیپنز کی متلون مزاج زندگی کی صرف ایک مثال ہے ورنہ یوں تو ان کی ساری زندگی اس متلون مزاجی کا مجموعہ ہے حتیٰ کہ انہیں ذرا ذرا سی بات پر فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً آج وہ اپنے میاں کے لیے گردے کلیجی پکائیں یا مچھلی تل دیں۔ وہ اتنی سی بات پر پہروں ذہن لڑاتی رہیں گی، جب کبھی وہ گھر سے میٹنی شو دیکھنے کے لیے نکلتی ہیں ——— اور وہ بھی کسی سہیلی کی فرمائش پر ——— تو وہ دروازے پر کوئی دو یا تین دفعہ لوٹ کر صرف یہ دیکھنے آتی ہیں کہ انھوں نے تالا لگا دیا ہے یا نہیں؟ پھر سینما ہال میں اُن کا دماغ یہ سوچتے رہنے میں مصروف رہتا ہے کہ گڈ بائی اِن فینسی "میں ہیروئن میڈلینی کیرول کس کے ساتھ شادی کرے گی۔ بیگم جیکلیپٹنز یہ فیصلہ نہیں کر سکتی، آیا انھوں نے چولہے کو ٹھنڈا کر دیا ہے یا نہیں یا دروازے کو کھلا تو نہیں چھوڑ دیا۔ بیگم حیران ہوتی ہے کہ آخر انھوں نے جیکلیپٹنز سے شادی کرنے کا فیصلہ کس طرح کیا ہوگا، شاید یہ اُن کی ایک اوائلی خواہش ہوگی، جو ان کے قبضۂ اختیار سے باہر ہوگی، اگر وہ مناسب مستعدی کے ساتھ فیصلہ کرنے کی خو ڈالیں تو ان کی زندگی میں انقلاب ماموں ہو سکتا ہے، کیا آپ اسے مبالغہ تصور کریں گے؟ جی نہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ وہ اس فطرت کی کوئی تنہا عورت نہیں ہیں بلکہ ان کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔

یا پھر وو بلی ٹاب صاحب کی مثال لے لیجئے، جنھیں پیار سے لوگ

(۱) ایک امریکی فلم

زندگی تابندگی

جوبی بھی کہا کرتے ہیں، چند سال قبل کی بات ہے کہ انھیں فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ آیا وہ اپنے دلپسند شعبہ یعنی صحافت کو اپنائیں یا اپنے ابا جان کی طرح ڈوبل ٹوپ بنک کے کاؤنٹر کے پیچھے جا بیٹھیں، ابا جان نے ڈیکی کے لیے بنک ہی والا کام تجویز کر دیا اور وہ بنک میں کام کرنے لگے۔ ڈوبلی ایک جوڈی نام کی لڑکی کو پسند کرتے تھے لیکن انھوں نے شادی ایلی سے کی، ایلی نے فیصلہ کیا کہ وہ ڈوبلی کو چاہتی ہے جیسا کہ عام طور پر عورتیں کرتی ہیں چنانچہ اس نے ڈوبلی سے شادی کر لی۔

ڈوبلی ویسے بڑا ہی نیک طبیعت اور شریف النفس لڑکا ہے لیکن بیچارا کسی بُرے یا بھلے فیصلے پر نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی اس فیصلے پر قائم رہ سکتا ہے اب وہ ایک ایسی زندگی گذار رہا ہے جو اس نے کبھی نہیں بنائی تھی وہ بادل نخواستہ ایک کام کر رہا ہے جسے اس کے ابا جان نے انتخاب کر دیا ہے اور اس نے ایلی کے ساتھ شادی کر لی، جو یقیناً بڑی اچھی لڑکی ہے لیکن وہ ویسی نہیں ہے جس کے وہ واقعی کبھی خواب دیکھا کرتا تھا، اسے تین مرتبہ ایسے موقع دستیاب ہوئے جب وہ بنک کی ملازمت سے علیٰحدہ ہو کر صحافت کی زندگی کو اپنا سکتا تھا لیکن ان تین موقعوں میں سے ایک موقع پر اس کے ابا جان نے فیصلہ صادر کیا اور بدستور ملازمت سے چپکا رہا، دوسرے دو مواقع پر ایلی نے فیصلے کیے جو ذاتی طور پر یہ چاہتی ہے کہ وہ کسی بنک کار کی بیوی ہو، ڈوبلی بے چارا اس ماحول میں اس وقت تک مری مکھی کی طرح چپکا رہے گا، جب تک اسے

فیصلہ کرنے کی سمجھ نہیں آجاتی۔

اس قسم کی متلون مزاجی زندگی کے حق میں سم قاتل ہے، یہ شک و شبہات، خوف اور بے اعتنائی سے اور زیادہ زور پکڑتی ہے اور اگر اس کی مشق کی جائے اور باقاعدہ عادت کی صورت اختیار کرلے تو یہ سمجھیئے کہ یہ مایوسیوں اور محرومیوں کا انبار لگا دے گی، جو ایک زندگی کو تباہ کر دینے کے لیے کافی ہے، جو شخص قوتِ فیصلہ کو بحال رکھنے سے قاصر ہوتا ہے اس پر منفی قوتوں کا اثر غالب رہتا ہے اور ہمیشہ اس کی تباہی کی موجب ہوتا ہے۔ اس قسم کی تصدیق کا اثر، جو آپ کو کوئی فیصلہ پسِ پشت ڈال دینے پر مجبور کرتی ہے اور قوتِ فیصلہ کو مضبوط بنانے والی تمام قوتوں کو سلب کر لیتی ہے متلون مزاج اپنے ہر فیصلے کو کھٹائی میں ڈال دیتے ہیں ان پر کبھی ٹھوس انداز میں قائم نہیں رہتے۔

متلون مزاج شخص پر ہمیشہ یہ خوف غالب رہتا ہے کہ اس کا عمل غلط ہو گا، مان لیجیے اس کا عمل واقعی غلط ہے، تو پھر کیا ہوا؟ غلطی تو ہر شخص کرتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے لیڈر اور منصب دار، فیصلہ کر کے ہی فروغ پاتے ہیں۔

وہ منصب دار اسی لیے بنتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں کی طرح معاملہ سے پہلو تہی کرنے کی بجائے ان کا فیصلہ کرتا ہے اور اسی لیے کسی منصب دار کی صحیح تعریف یہی ہوتی ہے کہ وہ فیصلے کرنے کا عادی ہے اور اس کے

چند فیصلے درست بھی ہوتے ہیں، حالانکہ وہ اُس سے بھی زیادہ تعریف کا مستحق ہے ———— اس کے فیصلے تقریباً درست ہی ہوتے ہیں لیکن زندگی کے ہر شعبے میں ناشاد اور نامراد لوگ وہ ہیں جو کوئی بھی کوئی فیصلہ کرنے میں تاخیر اور پس و پیش سے کام لیتے ہیں کیونکہ انھیں ہمیشہ غلطی یا ذمہ داری کا دھڑکا لگا رہتا ہے کیا آپ کسی ایسے لیڈر کا تصور کر سکتے ہیں جو قوتِ فیصلہ سے عاری ہو رہا۔

فرض کر لیجئے آپ سے کبھی غلطی سرزد بھی ہو جاتی ہے کوئی آدمی ہمیشہ درست ہی نہیں ہوتا، زندگی کا بہترین ثمر صرف ان لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو قوتِ فیصلہ کے مالک ہوں جو ان پر عمل کرنا جانتے ہوں اور وہ ان چیزوں کو طلب کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے جن کے متعلق انھیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور ان کے پیروکار مستحق ہیں۔

دنیا کے بڑے بڑے لوگ بھی غلطی کر بیٹھتے ہیں لیکن انھیں اس غلطی کا خوف اتنا ہراساں نہیں کر دیتا کہ وہ متعصبانہ اندازِ فکر اختیار کریں، دُنیا کے مشہور ترین اور عظیم سائنس دان سر اسحاق نیوٹن غلطی کرنے کے عادی تھے لیکن بعض دفعہ وہ درست بھی ہو جاتے تھے اور اسی لیے انھوں نے دنیا کو بہت کچھ بخشا، ذیل میں ان کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے، آپ خود سوچیے کہ اگر ایسے واقعات انھیں روک دیتے تو کیا ہوتا۔

تو واقعہ یوں ہے کہ ایک دفعہ سر اسحاق نیوٹن اپنے کمرے میں آتشدان

کے قریب بیٹھے اپنے خیالات میں غوطہ زن تھے کچھ دیر بعد آتش دان کی گرمی ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئی انہوں نے بڑے غصے میں اپنے ملازم کو پکارا اور گرج کر کہا کہ وہ آگ کی سینک سے تقریباً کباب ہوئے جا رہے تھے، نیوٹن نے ملازم کو حکم دیا کہ وہ آگ کو فوراً کسی چیز سے ڈھک دے" آپ خود ہی ذرا تکلیف کر کے اپنی کرسی کو آتشدان سے ذرا دور کیوں نہیں کھینچ لیتے" ملازم نے بڑے اطمینان سے کہا۔

" واللہ! سر اسحاق نیوٹن بولے" اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا"

ظاہر ہے کہ نیوٹن صاحب ہر وقت ہی حاضر دماغ نہیں ہوتے تھے

اسی قسم کا ایک اور واقعہ رالف والڈو ایمرسن اور ان کے صاحبزادے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار یہ دونوں باپ بیٹے ایک بچھڑے کو زبردستی کھینچ کھینچ کر اصطبل کے اندر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، اور بچھڑا تھا کہ یکدم بُری طرح سے دونوں پاؤں سے زور لگائے اڑا ہُوا تھا، قریب ہی ایک ملازمہ کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ ایمرسن کا عظیم ذہن اس وقت پوری طرح کام نہیں کر رہا ہے، چنانچہ اس ملازمہ نے اپنی انگلی بچھڑے کے منہ کے اندر ڈال دی اور بچھڑا اُنگلی کو چوستا ہُوا چپ چاپ اس ملازمہ کے پیچھے پیچھے اصطبل کے اندر چلا گیا۔

منفی دماغ کے لوگ ممکن ہے کوئی غلطی کرنے کے بعد چند فیصلے کر لیں لیکن مثبت وصف کا انسان اپنی غلطی کے احساس کو پس پشت ڈال

کر فیصلہ کرتا چلا جاتا ہے، اور اپنے تجربے سے چند غلطیاں کرنا بھی سیکھتا ہے۔

متلون مزاجی کے چند شدید نتائج کے متعلق میٹرو پولیٹن لائف انشورنس کمپنی کی طبیبہ ڈاکٹر لیڈیا گبرسن جو اپنے وقت کی بہترین ماہر نفسیات شمار کی جاتی رہیں، چند ثبوت پیش کرتی رہیں، انھوں نے بڑی بڑی فرموں کو اپنے مسائل کے حل تلاش کرنے میں مدد دی ہے۔

ڈاکٹر گبرسن فرماتی ہیں "بنیادی طور پر تمام تردوات کا منبع ستاون ہے۔ ہم روپے پیسے کے معاملے میں اس لیے متردد ہوتے ہیں کہ ہمیں پوری طرح پتہ نہیں ہوتا کہ ہماری اوقات کیا ہے، ہم اپنے ادھورے کاموں کے سلسلے میں اس لیے متردد ہوتے ہیں کہ ہمیں پوری طرح علم نہیں ہوتا کہ کون سا کام پہلے شروع کرنا چاہیئے، ہم اپنی بیماریوں کے شکوک کے سلسلے میں اس لیے متردد ہوتے ہیں کیونکہ ہم کسی ڈاکٹر سے رجوع نہیں ہوتے، متلون اور فیصلے کا فقدان اگر شدید صورت اختیار کرلے تو محرومیوں کے عروج پر جا پہنچتا ہے اور محرومیوں کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اعصاب جواب دے جاتے ہیں۔

ایسے حضرات جو عصبی تلون کے ایسے شدید مریض ہوں جن کی قوتِ ارادی مکمل طور پر سرد پڑ چکی ہو، انھیں چاہیئے کہ اس معاملے میں وہ اپنے خاندانی طبیب سے مشورہ کریں وہ طبیب انھیں کسی قابل ماہر نفسیات سے رجوع ہونے کو کہے گا، جو ان کے اسباب کو معلوم کرنے کی چھان بین کریں گے۔

نیویارک کے ایک مستند ماہر نفسیات ڈاکٹر لوئس، ای لبش اپنی ایک واقف کار خاتون کا قصہ بیان کرتے ہیں جن کو کبھی اس بات کا اطمینان حاصل نہیں ہوتا کہ انھوں نے اپنے گھر کا چولھا بجھا دیا ہے یا نہیں، یا انھوں نے برقی استری یا توسٹ سینکنے والے برقی چولہے کا پلگ اتار دیا ہے یا نہیں ایک دفعہ ان کے ذہن میں اگر شک پڑ گیا، تو انھیں واپس جاکر اس کی تصدیق کرنا پڑتی۔

ایک دفعہ فلے ڈلفیا جا رہی تھی، وہ خاتون ڈاکٹر صاحب سے بولیں "کہ میں اپنے کمرے کے متعلق سوچنے لگی بالآخر میرا خیال چولھے پر گیا اور میری پریشانی میں اضافہ ہونے لگا۔ جب گاڑی ٹرنٹن کے اسٹیشن پر پہنچی تو اس وقت میری پریشانی کا یہ عالم تھا کہ جیسے میں اپنے کمرے اور ساری عمارت کو آگ کے سبب شعلوں کی لپیٹ میں دیکھ رہی ہوں، جیسے یہ سب میری ذرا سی بد احتیاطی کے سبب ہوا ہو۔ بس پھر کیا تھا، مجھے گاڑی سے اترجانا پڑا اور دوسری گاڑی سے پھر نیویارک واپس پہنچی۔

ڈاکٹر لبش، ان خاتون کا نفسیاتی تجزیہ کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس عورت کو جو برقی چولھوں اور آلات کی تشویش ہر دم گھیرے رہتی تھی اس کی وجہ محض اس کی اپنی جنسی گھٹن تھی، یاد رہے کہ اس قسم کے تمام برقی آلات آگ لگانے کا موجب بن سکتے ہیں، جیسا کہ آپ نے غور کیا ہوگا، وہ عورت ناکتخدا تھی، آگ، عام طور سے محبت یا جنس کی علامت ہوتی ہے

یہاں جنسی جبلت اپنے آپ کو ظاہر کرنے سے جب معذور ہوئی تو اس کا متبادل راستہ یوں اختیار کیا کہ وہ ذہنی طور پر آگ سے کھیلنے لگی اور لوگوں کے دل کو جلانے کی بجائے مرکانات جلانے لگی' یہ درست ہے کہ مزاحمت کے اسباب نے نمو اثبات کو فرو ضرور کر دیا لیکن اوپر اور نیچے کے دونوں دباؤ نے مل جل کر اسی عورت کے اندر جذباتی تذبذب' شکوک' غیر قطعیت اور فیصلہ نہ کرنے کی ناقابلیت کو جنم دیدیا۔ اس قسم کے ہر پیچیدہ معاملے کے لاکھوں انسان شکار ہیں' جو اس سے بھی زیادہ خفیف خوف اور شکوک میں مبتلا رہتے ہیں اور اس لیے اُن میں قوت فیصلہ ہمیشہ معدوم ہوتا ہے' ممکن ہے ایسے لوگ اپنے ایام طفولیت میں استاد یا والدین سے خوف کھاتے رہے ہوں اور اس کے اُنھیں کسی بات پر فیصلہ کرنے کے لیے مشق کی عادت نہ ہو یہی لوگ اگر چاہیں تو اپنے تلون کو ختم کر سکتے ہیں اور اس کی جگہ نیک عادتوں کو بحال کر سکتے ہیں۔

اگر آپ کی طبیعت پر تلون کا زیادہ غلبہ ہے اور اس کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ تلون مزاجی بے اعتنائی یا خیال کی سست روی کے سبب وجود پذیر نہیں ہوتی' اس کے برعکس اس میں معاملات پر اس قدر سوچ بچار کرنے کا موقع ملتا ہے اور اتنے شکوک پر غور کرنا ہوتا ہے کہ پھر کسی آسان فیصلے پر پہنچنا اور

اس پر عمل کرنا دشوار ہوتا ہے، آپ کا ذہن جس قدر تیز ہوگا آپ کوئی فیصلہ کرنے سے قبل اتنی ہی تیزی سے تمام معاملات پر غور کر لیں گے، لیکن اگر آپ کا ذہن غبی اور کند ہوتا تو آپ کو شاید زیادہ دشواری نہیں ہوتی، کیونکہ آپ کا ذہن پھر کسی امکانی نتائج کے متعلق نہیں سوچتا، آپ کے ساتھ یہ بھی مشکل ہو سکتا ہے کہ آپ تمام معمولی معمولی مسائل پر بھی اتنی ہی عرق ریزی کرتے رہیں جتنا آپ کسی اہم سنجیدہ مسئلے کے لیے کرتے رہیں۔

زندگی کے ہر دور میں صرف وہی مرد یا عورت پیش پیش ہوئی ہیں جو ٹھوس قوت فیصلہ کے مالک ہوتے ہیں، پھر بھی حیرت ہے کہ لوگ قوت فیصلہ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ کسی چیز کے بارے میں فیصلہ کرنا اتنا بڑا دشوار کام نہیں ہے، اس اصول پر عمل کرنا بے حد آسان ہے، یہ وہی اصول ہے جس پر بڑے بڑے کاروباری منتظمین، فوجی احکام، طبیب قائد، سیاستدان، قصائی اور مصور عمل کرتے رہیں، لیکن عام طور سے کسی خاص شعبے کی جو اہم شخصیتیں ہوتی ہیں وہ اس اصول کو اپنے روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتی ہیں اور ان کا طریقہ استعمال حد درجہ قطعی اور تعمیری ہوتا ہے۔

فیصلہ کرنے کا اصول آپ ہی کا ہے، آپ نے اسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، آپ نے اسے بعض موقعوں پر غیر شعوری طور پر استعمال کیا ہے یا شاید شعوری ہی طور پر استعمال کیا ہو لیکن باقاعدگی سے نہیں کیا ہے، ورنہ

آپ قوتِ فیصلہ کے مالک ہوتے۔ آپ کی توجہ ایک دفعہ پھر اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے یہ اتنی اہم چیز ہے کہ کسی کاغذ پر لکھ کر ہمیشہ اپنے جیب میں رکھے رہنا چاہیئے تاکہ ہمیشہ آپ کی یاد دہانی ہوتی رہے، ذرا سے فرق کے ساتھ یہ اصول تقریباً زندگی کے تمام دوڑ میں قوتِ فیصلہ کے لیے ایک بنیاد کھڑی کر دیتی ہے۔

۱: آپ کون سا کام سرانجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں؟

۲: اُن کے خاص حقائق کیا ہیں؟

۳: اس کے لیے کون سی عملی تدابیر ممکن ہیں؟

۴: کون کون سی عملی تدابیر آپ کے خواہشات کی جلد تکمیل کر سکتی ہے۔

۵: اب آپ کے کیا ارادے ہیں؟

یہ نسخہ محض مصنف کا خود ساختہ نسخہ نہیں ہے، یہ ایک عالمگیر نسخہ ہے اگر آپ کو اس کی ضرورت ہے تو یہ آپ ہی کا نسخہ ہے، مَیں نے اس نسخے کو بہت سے کاروباری ادارے کی تنظیم و تعمیر کے سلسلے میں آزما کر دیکھا ہے مَیں نے اسے دوسروں کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلے میں بھی آزما کر دیکھا ہے۔

آپ اس پانچ نکاتی نسخے کو معمولی درجے کے فیصلوں کے سلسلے میں شاید استعمال نہ کر سکیں، لیکن میری آپ سے مخلصانہ گذارش ہے کہ خواہ آپ اس کی تاثیر میں ایمان رکھتے ہوں یا نہیں، تاہم آپ اس نسخے کا کچھ یا تمام حصہ استعمال کر کے دیکھیئے۔

اور اگر آپ کو واقعی کوئی اہم فیصلہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر آپ اس نسخے کو پوری طرح استعمال کیجئے۔ بلکہ تمام سوالات کو ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے جواب درج کرتے جائیے۔ آئیے ہم ان سوالات کو ذرا زیادہ تفصیل کی روشنی میں دیکھیں۔

آپ کون سا کام سرانجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں؟

اگر آپ سیدھے پیرائے میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے تو پھر آپ ضرور تذبذب اور بے اعتباری کے مبہم دنیا میں بسر کر رہے ہیں اور آپ کے لیے کسی منطقی نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے، کامیابی تو مقصد کی قطعیت سے حاصل ہوتی ہے، اگر آپ کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہے تو اس مسئلے کو اپنے ذہن میں یا کاغذ پر صاف صاف طور سے واضح کرنا چاہیئے اور جب اس مسئلے کی وضاحت ہو جاتی ہے تو اب آپ کا کیا قصد ہے؟ آپ کون سا کام سر انجام دینے کی کوشش کر رہے ہیں؟ یعنی آپ کا آخر مدعا کیا ہے، اب آپ الٹے سیدھے خیالات میں بھٹکنے کی بجائے اپنے ذہن کو پوری طرح اپنے مدعا کی طرف مرکوز رکھئے، کیونکہ آپ جس قدر اپنے خیالات کے مرحلے میں بھٹکنے کی کوشش کریں گے، اتنا ہی زیادہ آپ کا ذہن اپنے مدعا کی جانب سے ہٹتا جائے گا اور آپ کا فیصلہ بھی اتنا ہی غیر قطعی ہوگا، اگر آپ کا فیصلہ کسی بہت ہی اہم اور ضروری مسئلے پر ہے جس سے آپ اور آپ کا مستقبل

وابستہ ہے اور آپ اپنے مدعا کو پوری طرح اپنے ذہن میں متعین نہیں کر پاتے یا آپ سے اُن کی وضاحت نہ ہوتی ہو تو اس صورت میں آپ کسی ایسے ہوشیار صلاح کار سے رجوع ہوں جو اس مسئلے پر غور کرنے میں آپ کا ہاتھ بٹائے، وہ صلاح کار ممکن ہے آپکو کوئی ایسی راہ سجھا دے جس سے آپ کے مسائل اور ان کی ماہیئت کا پوری طرح ایکس رے ہو جائے، ہاں، لیکن آپ کسی قابل صلاح کار کے پاس جائیں! آپ کے چچا جان، ممکن ہے بڑے عاقل اور دانا انسان ہوں لیکن اس چیز کی تشفی کر لیجئے کہ وہ اس خاص مسئلے پر آپ کو کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟ آپ کا خاندانی ڈاکٹر، ممکن ہے آپ کو صحت کے متعلق بے حد قیمتی اور سودمند مشورے دیتا ہو، لیکن وہ آپ کے معاش اور دیگر مسائل کے متعلق سرے سے کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔

اُن کے خاص حقائق کیا ہیں؟

آپ کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ آپکو اپنے مسائل کے حقائق میں سے صرف چند حقیقتوں کا علم ہے اور وہ حقیقتیں بھی غلط ہوں تو آپ کا فیصلہ بھی غلط ہوگا، یہ صحیح ہے کہ تمام حقائق کا علم نہیں ہو جاتا، لیکن آپ کو کم از کم کوشش یہ کرنا چاہیئے کہ جہاں تک حقائق دستیاب ہو سکیں آپ انہیں حاصل کرنے کی جدوجہد کریں، آپ کو یہ حقائق ملاقاتوں، کتابوں اور خاص شعبوں میں خطوط لکھ اور ان کا مشورہ طلب کر کے حاصل ہو سکتے ہیں، آپ کو جب تک حقائق

حاصل نہیں ہوتے، آپ مستحکم فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اُن حقائق کا بھی وجود ہوتا ہے اور یہ پیچھے ہوتے ہیں صرف انھیں ٹٹولنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ممکن ہے کوئی دکاندار اپنی دکان کو فروخت کرتے ہوئے گاہک سے یُوں کہے کہ "ارے صاحب، ایمان کی بات تو یہ ہے کہ پچھلے سال مَیں نے کوئی پچھتر ہزار ڈالر کا بیوپار کیا تھا اور اس میں سے دس ہزار ڈالر نقد منافع کمایا تھا، یہ محض اس دکاندار کا بیان ہے، ورنہ حقیقت کیا ہے؟ اگر اس کے کاروباری بہی کھاتوں کی چھان بین کی جائے تو ممکن ہے یہ حقیقت آشکار ہو کہ اس نے صرف پچاس ہزار ڈالر کا کاروبار کیا تھا جس میں سے ایک پائی بھی واپس نہ آسکی، جب آپ حقائق کی تلاش میں چاند ماری کر رہے ہوں تو یہ خیال رکھیئے کہ آپ رایوں، افواہوں اور خیالات پر نشانہ نہ باندھیں، اس ملک میں آج بھی ایسے لوگ بستے ہیں جن کی رائے ہے کہ دنیا چوپٹ ہے اور ایسے بھی نیکو کار انسان ہیں جو افواہ سازی اور بے ہنگم خیالات کی نمائش کو شغل تصور کرتے ہیں، آپ یہ دیکھیئے کہ وہ کون سے حقائق ہیں جو آپ کے سامنے ایک سچی تصویر لا کر کھڑی کر دیں، علاوہ ازیں ایک بات اور، یہ کہ آپ جن حقائق کی چھان بین کی غرض سے ذہنی نہ خانے کے اندر تشریف لے جایئے تو اپنے خیالات کو اس کی چوکھٹ کے باہر ہی چھوڑ دیجئے، اسے اندر نہ لیجایئے کیونکہ جذبات حقائق کے حق میں زہر ہلاہل سے کم نہیں ہے۔

اس کے لئے کون کون سی عملی تدابیر ممکن ہیں؟

تو آپ نے فیصلہ کر لیا کہ آپ نے کس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے! آپ نے اس کے مطلوبہ حقائق بھی جمع کر لئے ہیں، اب آپ اپنے مسئلے کے اوپر جیسے ہی غور کریں گے آپ ممکن ہے یکدم سے جدت لگا کر یا استقامت کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ آپ کے لیے صرف ایک سی عملی تدبیر ہے ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو، لیکن اس بات کی پوری تسکین کر لیجئے کہ آپ نے احتیاط کے ساتھ اس کے تمام ممکن متبادل چیزوں پر غور کر لیا ہے. نیویارک یا روم پہنچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ نہیں ہوتا، کئی راستے ہوتے ہیں، ایک راہ بالکل سیدھی اور سخت ہو سکتی ہے اور دوسری ممکن ہے اس سے زیادہ طویل ہو لیکن اس راہ پر سفر کرنا زیادہ دلچسپ اور دل خوش کُن ہو سکتا ہے. اگر آپ چند گھنٹے یا ایک دن یا ایک ہفتہ لگا کر اپنے عملی تدابیر کو کاغذ کے اوپر لکھ کر ان کا ایک واضح خاکہ تیار کر لیں تو آپ کے کئی مہینوں یا سالوں کی بے سُود کوششوں سے بچ جائیں گے.

تو اب آپ کے کیا ارادے ہیں؟

اب آپ فی الواقع ان مشقوں کے خاص نکتوں کی جانب آتے ہیں یہی وہ مقام ہے جہاں منفی رجحان کے لوگ اکثر راستے سے گم ہو جاتے ہیں ممکن ہے آپ کسی فیصلے پر پہنچ جائیں، لیکن اگر آپ اسے ٹھوس عمل سے آگے

نہیں بڑھاتے تو آپ کا فیصلے پر پہنچنا اور نہ ہی پہنچنا برابر ہے۔ اچھا تو آپ ٹھوس عمل سے کب کام لیں گے؟ اس کے لیے وقت کا تعین از حد ضروری ہے ممکن ہے، آپ کا مطالعہ یہی ہو کہ اس میں تاخیر سے کام لینا چاہیے لیکن اس کے لیے ایک انتباہ ضروری ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں غفلت شعار لوگ عمل کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور پیچھے رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ منفی طور پر فیصلہ اور عمل سے خائف ہوتے ہیں وہ اس تاخیر کے لیے بہانے بناتے ہیں وہ اپنی بے عملی کے لیے جواز تلاش کرتے ہیں وہ اس قسم کے منفی وصف کے لوگ ہوتے ہیں جو آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے بھاگتے ہیں۔

مندرجہ بالا اصول اہم فیصلوں کے ترتیب کے سلسلے میں یقیناً آپ کے لیے بہت زیادہ مفید نتائج برآمد کر سکتے ہیں لیکن ہمیں اپنے روزمرہ کے معمولی معمولی فیصلوں کے سلسلے میں ان کو استعمال کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔

بچہ ہو یا جوان اگر اسے پتنگ خریدنی ہے تو وہ پانچ منٹ کے اندر فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسے سرخ پتنگ خریدنی چاہیئے یا سفید، وہ کوئی اتنا لمبا چوڑا کام نہیں ہے اس موقع پر اہم چیز تو یہ ہے کہ اگر پتنگ خریدنا ہی ہے تو اس میں سے کوئی رنگ بھی لیا جا سکتا ہے۔

تلون پیدا ہونے کی سب سے بڑی وجہ غلط عادات ہیں جو مشق کے ذریعے

درست کی جا سکتی ہیں۔

آپ کو بہت سے غیر معمولی قوتِ فیصلہ رکھنے والے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہوگا اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی بات کا فوری فیصلہ کرنا ان کی عادت بن گئی ہے، اخبار کا مدیر دن بھر میں سیکڑوں فیصلے کرنے پر مجبور ہوتا ہے حتیٰ کہ فیصلہ کرنا اس کی عادت بن جاتی ہے، ایک اونچے عہدے کے افسر کو روزانہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور اس کے فیصلے فی البدیہہ اور بے اختیار ہوتے ہیں، ممکن ہے اس کے فیصلے ہر وقت درست نہ ہوں۔ لیکن کم از کم اکثریت درست ہی فیصلوں کی ہوگی

فیصلہ کن بننے کا ایک سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ فیصلہ کن بننے کی مشق کی جائے، ذیل میں چند مشق پیش کیے جاتے ہیں جب کبھی اس کا موقع آئے اسے استعمال کیجیے اور دن میں کئی بار کیجیے۔

ہر معقول موقع کو "نہیں" کی بجائے "ہاں" کہہ کر بلایئے۔

جہاں کہیں آپکو فیصلہ کرنے کا کوئی موقع ملے، آپ اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں بلکہ ٹھوس طریقے سے فوراً فیصلہ کیجیے۔

بجائے اس کے کہ آپ پہروں بیٹھے یہ سوچنے میں وقت ضائع کریں کہ آج سیر پر جانا چاہیئے یا گھر پر آتشدان کے قریب بیٹھا جائے، آپ دو میں سے ایک کے متعلق جلد فیصلہ کیجیے اور اس فیصلے پر عمل کیجیے، یہ سوچتے رہنے کی بجائے کہ آج سبزی منگوایا جائے یا گوشت، آپ فوراً کوئی فیصلہ کیجیے، آپ کو کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہی ہے، پھر اسے ایک مسئلہ کیوں

بنایا جائے۔

اگر اباجی سے پوچھا جائے کہ بھنا ہوا مرغ زیادہ پسند کریں گے یا شوربہ دار، تو انھیں اس کا ایک جواب دینا چاہیئے، یہ نہیں کہ کوئی سا" کہہ کر خانساماں کے لیے مصیبت بنادیں۔

فرض کریجیے آپ کو آج شام تین فلموں میں سے ایک فلم کا انتخاب کر کے پکچر ہاؤس جانا ہے، اس کے لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ آنکھ بند کر کے ایک تصویر کا انتخاب کرلیں، دس منٹ تک اپنے آپ کو اپنے انتخاب کی کش مکش میں مُبتلا نہ رکھیں کیونکہ یہ طریقہ آپ کے فیصلے کے فقدان کو اور مضبوط کر دیتا ہے۔

اب آپکو آئندہ کبھی ہیٹ یا ٹائی خریدنے کا اتفاق ہو تو آپ تمام ٹائیوں اور ہیٹوں کو ایک بار دیکھ کر فوراً کسی ایک کا انتخاب کر لیجئے۔ ہر بار اپنے تلون کی مشق کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آپ چھوٹی موٹی غلطیاں ہی کرلیں، بہت سے لوگ ذرا ذرا سی بات کو خواہ مخواہ طول دیتے ہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ مطالعہ ہی کو لیجئے جو شخص تیز رفتاری کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے وہ عموماً سُست رو کتب بین سے زیادہ سمجھتا ہے جو لوگ فوری فیصلہ کے عادی ہوتے ہیں۔ اُنھیں بچی کھچی چیزوں پر قناعت کرنا پڑتا ہے۔ آپ اپنی روز مرہ کی زندگی میں ایسے مواقع تلاش کیجیے جہاں آپ قطعیت کے ساتھ فیصلہ کرسکتے ہوں۔ آپ فیصلہ کر لیجیے اور پھر اس پر عمل

آپ اپنے روزمرہ کے بنے بنائے معمولوں میں تھوڑی بہت ترمیم کر لیا کیجیے ———— اچھا سیلی خالہ کے خط کے بارے میں آپ نے سوچا؟ ———— وہی جس کا آپ نے اتنے دنوں سے جواب نہیں بھیجا، بس آپ یہیں رک جائیے اس خط کا جواب ابھی اور اسی وقت بیٹھ کر لکھیے۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ آپ ایک چھوٹا سا مثبت عمل کا ثبوت دیں گے، جو آپکے دوسرے مثبت عمل کو زیادہ آسان کر دے گی۔

فیصلہ کُن ہونا، اپنا ایک شغل بنا لیجیے اور اس شغل سے آپ تمام دن لطف اندوز ہوتے رہیں گے، اگر آپنے اسے جوانمردی اور استقامت کے ساتھ ایسا کیا تو آپ کو ایسا محسوس ہو گا جیسے آپ کو روحانی طور پر کوئی زبردست نعمت حاصل ہو گئی ہے اور اب یو نہیں، فزوں تر ہوتی جائے گی اور پھر ایک دن زیادہ مخصوص انداز کے انسان بن جائیں گے اور تلون اور پس و پیش کے جالوں سے باہر نکل آئیں گے۔

۵

کامیابی ٹھوس قسم کے رُجحان کی گرویدہ ہے

تمام ترقیوں کی وہ کافر ادا حسینہ ——— جسے کامیابی کے نام سے ہم یاد کرتے ہیں، اپنی رنگینی و رعنائی ہمیشہ اُن لوگوں پر لٹاتی رہی ہے جو مردانہ وار طور پر یا فطری طور پر مثبت قوتوں کے مالک ہوں، کامیابی منفی لوگوں سے گھِن کھاتی ہے البتہ ناکامی جسے منفی رجحان کے لوگوں سے فطری چاہت ہے وہ انھیں اپنا سگا جانتی ہے

صدیوں سے گھر کرنے والے منفی قوتوں کو ترک کر کے ٹھوس اور جری لوگ ہمیشہ اپنی جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے رہے ہیں، ایسے لوگ اگر ملازم پیشہ ہوں تو وہ اُونچے سے اُونچے عہدے اور لمبی سے لمبی تنخواہ اٹھاتے ہیں اور اپنی کمائی سے اپنی بقیہ تعلیم کو پُوری کرنے کے بعد خود اپنا ذاتی کاروبار شروع کر دیتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟

وہ یوں کہ ٹھوس قسم کے لوگ یہ جانتے ہیں کہ انھیں کیا مطلوب ہے۔

وہ یوں کہ انھیں جو چیز مطلوب ہوتی ہے وہ اسے حاصل کرنے کے لیے خود کو تیار کرتے ہیں۔

وہ یوں کہ انھیں جو کچھ مطلوب ہوتا ہے وہ اسے طلب کرتے ہیں اور اسے پانے کی عملی قوت سے کام لیتے ہیں۔

اگر بعض ایسی وجوہات کی بناء پر جو اُن کے احاطۂ اختیار سے بعید ہوں اور وہ اپنا گوہر مراد حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں تو وہ ٹھوس انداز اختیار کر کے وہ اپنی جوہر استعداد کو اور زیادہ مضبوط اور قابل قدر بنا لیتے ہیں اور پھر ـــــ وہ گوہرِ مراد اُن کے ہاتھ آکر رہتا ہے۔

زندگی کے منفی الطبع حضرات کے ہاتھ تو صرف تلچھٹ ہی آتا ہے۔

ایسا کیوں ہے؟

کیوں کہ منفی قوت انھیں پا بہ زنجیر پیچھے کھڑے رہنے پر مجبور کرتی ہے ٹھیک ہے انھیں بھی کھانے بھر مل ہی جاتا ہے، لیکن وہ اپنی زندگی کو اسی مفلوک الحالی اور تنگدستی سے بسر کرنے پہ قانع رہتے ہیں اور اسی میں وہ آسودگی محسوس کرتے ہیں ـــــــ یا شاید نا آسودگی؛ وہ سال بھر اپنی زرد زرد شکل لیے ہوئے توقعات کے زینے پہ لٹکتے رہتے ہیں۔ کہ شاید غیب سے اُن کے لیے ترقی کا کوئی مژدہ آجائے گا یا پھر وہ اُن

ٹھوس لوگوں پر آس لگائے بیٹھے رہتے ہیں جو اُن کے افسر اعلیٰ ہوتے ہیں کہ ایک دن وہ اُن کی ترقی کے لیے کوشش کریں گے، یہ تو ایک طرح سے درست ہے کہ منفی الطبع لوگ واقعی جس چیز کی خواہش کرتے ہیں انھیں مل جاتی ہے ——— یعنی تلچھٹ!

یہ محض ایک کلیہ نہیں کہ ملازم پیشہ لوگوں کو منفی رجحان آگے بڑھنے سے روکے رکھتی ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو بہت ہی بڑی بڑی تحقیقات کے بعد حاصل ہوئی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ محض دس یا پندرہ فیصدی ملازمین ایسے ہوتے ہیں جو واقعی ترقی چاہتے بھی ہیں، اس کی نفسیاتی تحقیقات سے یہ عقدہ وا ہوا کہ یہ منفی خوف کے باعث ایسا ہے، ملازمین پر یہ منفی خوف غالب رہتا ہے کہ وہ اس کام کے اہل ثابت نہ ہو سکیں گے اور پھر انھیں اس کام کی ذمہ داری سے کوفت پہنچتی ہے۔

ذیل میں "منفی خطرے" کا ایک انتباہ درج کیا جاتا ہے۔ جو ہر اس شخص کے لیے کامل دھیان کے ساتھ مطالعہ کرنا لازم ہے جو ناکامی میں پل پڑنے کے لیے تیار نہ ہو خطرے کے یہ سُرخ نشانات تقریباً ہر شعبے کے بڑے بڑے منصب داروں اور عملوں کی نظر سے گذر چکے ہوں گے۔ ان میں سے بعض خطرے کے نشانات ان لوگوں نے بنائے ہیں جنھوں نے اپنی تفتیش کی ہے اور اپنی کمزوریوں سے آشنا ہوئے ہیں ———

لیکن اس کے باوصف وہ منفی رجحانات میں اس بُری طرح جا پھنسے تھے جہاں

سے اُن کا نکلنا مقدور نہ ہُوا۔ حیف اُن غنچوں پہ ہے ——————

خطرے کی روشنیاں (جنھوں نے سبیل معاش کو تختہ بند کر دیا)

عدم اشتراک

دفتر سے غیر حاضری — کون دفتر جانے کی زحمت گوارا کرے

مضوبت خیزی — لغو گپ بازی وغیرہ

بے اعتنائی

ناموافقت — ناگواری، بدمزاجی، کج خلقی

فضول سرگشتی

تن آسانی

زود رنج — عام طور پر خود پر قابو نہیں رہتا

گنجلک مقصدیت

حد درجہ مضطرب — بغیر جانے بوجھے کسی چیز میں پڑ جائیگا

بے چین

بے موقع زود حس

بہت آسانی سے ہمت ہار جانا

موقع فہم

خود اعتمادی سے محروم۔

زندگی تابندگی

اپنے کام میں فخر و سرخوشی سے عاری

حد درجہ نکتہ چیں

تغافل شعار

آسانی سے دوسروں کے کہنے میں آ جانا

باتیں بہت زیادہ یا بہت کم

قوتِ پیش قدمی، بے حد خفیف یا سرے سے معدوم۔

گرمئ عمل، بے حد خفیف یا سرے سے معدوم۔

ہزاروں ملازموں کے جائزے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ جو لوگ ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے ہیں، ان میں سے ایک خفیف فیصدی اور وہ لوگ جو ترقی حاصل کرنے سے رہ گئے ان میں سے ایک بہت ہی مختصر فیصدی لوگ، مناسب کارکردگی کی اہلیت سے محروم ہو جانے کی وجہ سے ان کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اپنے معاش کے ابتدائی سالوں میں ہی مندرجہ بالا منفی خصوصیات کی بنا، پر رک جاتے ہیں، اسی طرح ہزاروں لاکھوں انسان، ملازمت کی برطرفی سے بچ سکتے ہیں، اپنی من مانگی ترقی حاصل کر سکتے ہیں، اگر وہ ذرا سی کوشش سے ٹھوس انداز اختیار کر لیں اور مثبت اوصاف پیدا کر لیں۔

ابھی حال ہی میں نیویارک کی یونیورسٹی نے ایک کتابچہ شائع کیا تھا، یہ کتابچہ نوجوانوں کو وہ خصوصیات اور تعلیم کا پتہ بتاتا تھا جو کاروباری دنیا کے

لیے ضروری تصور کیا جاتا ہے اس کے علاوہ انھیں یہ کتابچہ یہ سمجھنے میں بھی مدد بہم پہنچاتا تھا۔ کہ اس کے لیے کون سی تیاریاں ضروری ہیں اور یہ کہ ان کے لیے کون کون سے میدان کھلے پڑے ہیں، اس کتابچہ میں جو چار چیزیں آپ کے لیے سیکھنا لازمی ہیں اور جو آپ سیکھ سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

دوسروں سے نباہ کرنے کی صلاحیت

جفاکشی

ذمہ داری قبول کرنے کا شوق

اور

مستعدی

یہ چاروں جوہر قابلیت حاصل کرنا ضروری ہے، ان میں سے محض دو تین کا حاصل کرنا ہی کافی نہیں، چند سال قبل مجھے ایک ایسے کاروبار کو تباہ ہوتے دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا انتظام ایک نہایت ہی قابل ستائش شخصیت کے ہاتھوں میں تھا وہ لوگوں میں اپنی خوش اخلاقی کے سبب بے حد مشہور تھا تحقیقات اور مشاہدات شاہد ہیں کہ بعض کاروبار کی کامیابی پچاسی ۸۵ فیصدی شخصیت کی وجہ سے اور پندرہ ۱۵ فی صدی قابلیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

یہ صاحب سو فی صدی شخصیت پر زور دیتے رہے اور قابلیت کی طرف انھوں نے صفر کے برابر بھی دھیان نہ دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا کاروبار بیٹھ رہا۔ ایسے بے شمار طمطراق قسم کے نوجوان آج کل دیکھنے میں آئیں گے جو

اپنے آپکو شخصیت کا بھی بادشاہ تصور کرتے ہیں اور دوسروں سے نباہ کرنے کے ڈھنگ کی بھی انہیں خوش فہمی ہے وہ اپنے آپ کو جفاکشی میں بھی طاق جانتے ہیں اور جہاں تک ذمہ داری کا تعلق ہے وہ نہ صرف وہ ذمہ داری کو اپنے شانوں پر سنبھال لیتے ہیں بلکہ وہ ایسی ذمہ داریوں کا خود کو لائق بتلاتے ہیں جس کو شاید وہ سمجھ بھی نہیں سکتے، اُن کی اس ڈینگ بازی کو دفتر کی دوسری لڑکیاں، سن سن کر ہنس پڑتی ہیں وہ مستعدی میں خود کو رستمِ زماں کہتے ہیں، حالانکہ انہیں اگر کلرکی بھی دے دی جائے تو اسے پوری مستعدی سے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اس فہرست میں جو بھی چیزیں درج ہیں وہ سب کی سب مثبت ہوتے ہوئے بھی بڑی آسانی سے منفی رجحانات سے مار کھا جاتی ہیں، میں جس زمانے میں بڑے بڑے اداروں میں اونچے قسم کا عہدہ دار ہوا کرتا تھا اس زمانے کا مجھے تجربہ ہے کہ بہت سے اسٹنٹ قسم کے لوگ، ترقی کر کے بڑے عہدے پر جانے اور بڑی تنخواہ پانے کی پیشکش کو صاف ٹھکرا دیتے تھے اور یہ تمام تجربہ ہے کہ تقریباً کسی دفتر میں جو چھوٹے چھوٹے ملازم ہوتے ہیں وہ اعلیٰ تربیت سے جو انھیں زیادہ اونچی ملازمتوں کے لائق بنا سکتی ہے اس سے وہ ہمیشہ بھاگتے ہیں۔

تمام پیشوں اور صنعتوں کی تاریخیں، زندگی آمیز، اور ٹھوس قوتِ عمل کی روداد سے بھری پڑی ہیں۔

ایک سترہ سالہ بچے کی ایک مثال کو لیجیے، اس کا نام آرنسٹ ای نورس تھا، اس کو بعض وجوہات کی بنا پر سکول چھوڑ کر ملازمت اختیار کرنا پڑی، اس بچے کی یہ بڑی خواہش تھی، کہ وہ کسی طرح ریل کے محکمے میں کوئی اعلیٰ ترین آسامی حاصل کرے، اس نے فیصلہ کر لیا کہ اس کے لیے اس شعبے میں داخل ہونے کے لیے اگر کوئی بہترین راستہ ہے تو وہ ٹیلی گرافی ہے، اس نے ایک ٹیلی گرافسٹ کو کہہ سن کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسے مورس کوڈ اور کام کی تفصیل سکھا دے، اس نے اپنا کام سیکھ لیا اور اب وہ اخبارات میں کسی ایسی آسامی کی جگہ کے لیے اشتہار دیکھنے لگا، ایک دن اس نے اخبار میں ایک خبر پڑھی کہ آرلنگٹن ہائٹس میں ایک ٹیلی گرافسٹ نے خودکشی کر لی ہے، نوجوان نورس نے اسٹیشن ایجنٹ کے پاس ایک درخواست لکھی اور نوکری مانگی ——— اور اسے نوکری مل گئی، اسے نوکری اس لیے مل گئی کہ اس نے اس کی تیاری کی تھی اور وہ وہی ٹھوس اور مثبت انداز اختیار کر کے ساؤتھرن ریلوے سسٹم کا صدر بن گیا۔

جب چارلز آزہوک کے والد کو اپنے کاروبار میں سخت خسارہ برداشت کرنا پڑا تو چارلز، آزہوک نے ایک دفتر میں بارہ ڈالر ہفتہ پر چپڑاسی کی ملازمت قبول کر لی وہ اس ملازمت کے دوران میں انجنیئرنگ کی تعلیم بھی حاصل کرتا رہا، بالآخر اسے ایک لوہے کے کارخانے میں جگہ مل گئی، وہ

اس کارخانے کے ایک ایک کل اور پرزے اور ان کی حرکت کا بغور مطالعہ کرتا رہا، اس نے دن اور رات کی پرواہ نہ کی، اس نے بڑی جانفشانی سے تمام ایسے علوم حاصل کر لیے جو اسے اس کارخانے کے تمام عمل کے متعلق مہیا ہو سکتے تھے، اور ایک دن وہ آرمکو اسٹیل کمپنی کے بورڈ کا چیئرمین ہو گیا۔

ولیم اے پیٹرسن کو پندرہ ہی سال کی عمر میں اسکول سے علیحدہ ہو جانا پڑا، اسے ولز فارگو ایکسپریس کمپنی میں پچیس ۲۵ ڈالر مہینے کی ایک جگہ مل گئی وہ تیرہ سال تک متواتر شبانہ درسگاہ میں جاتا رہا، ایک دن وہ یونائیٹڈ ایئر لائن کا نائب اور پھر ——— ایک دن ——— صدر بن گیا۔

اسی طرح ایک اور پندرہ سالہ بچے ڈیوڈ سارنوف کو اپنی بیوہ ماں کی پرورش کے لیے کام ڈھونڈنا پڑا، اس نے دو ڈالر میں ایک "کوڈ" کی کتاب خریدی اور ایک ٹیلی گراف کی مشین حاصل کی اور اپنے فالتو اوقات میں کمرے میں بیٹھ کر وہ اس کی مشق کرنے لگا، اس نے ان الفاظ کے معنی سیکھنے کے لیے ایک لغت بھی رکھنا شروع کر دیا، اس نے اپنی تعلیم مکمل کی اور آخر کار اتنے بڑے ریڈیو کارپوریشن آف امریکہ کا افسر اعلیٰ بن گیا۔

نیو یارک ہی کا ایک اور واقعہ ہے، ایک بارہ سالہ لڑکے نے اپنی ماں کی پرورش کی خاطر ایک دفتر میں تین ڈالر ہفتہ پر چپراسی کی ملازمت کر لی، یہ

ملازمت جزل الیکٹرک کمپنی کے سپرنگ کے کارخانے میں اسے ملی تھی۔ اور اس وقت کمپنی کو کام شروع کئے ہوئے ابھی محض سات ہی سال ہوئے تھے وہ لڑکا روزانہ شبانہ درس گاہ میں جانے لگا آخر اس نے ایک پرائیویٹ درسگاہ میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ جو کالج کے تکنیکی تعلیم کے برابر تھی، اور اسی ٹھوس عزم کے نوجوان نے خود کو آخر کار جنرل الیکٹرک کمپنی کا صدر بنا لیا جو دو لاکھ سے زیادہ لوگوں کو نوکری دے رہی ہے، اس نوجوان کا نام چارلز ای ولسن ہے

مندرجہ بالا مثالیں جو ٹھوس اور بھرپور اقدامات کی روشن مثالیں ہیں ایسے کرداروں کے ذریعے پیش کی گئی ہیں جو بغیر کالج کی اعلیٰ تعلیم حاصل کئے ایسے عہدوں تک پہنچ گئی ہیں جن کے ماتحت سینکڑوں کالج کے تعلیم یافتہ لڑکوں کی فوج کام کر رہی ہے اور اگر ہم تعلیم اور محض تعلیم کے پیچھے اسی طرح ہاتھ دھو کر پڑے رہے اور عملی اور تجرباتی زندگی سے ناآشنا رہے تو ان کے ماتحتوں کی اس پڑھی لکھی فوج میں اور زیادہ اضافہ ہوتا جائیگا

امریکہ میں ہر سال کالج سے کامیاب شدہ گریجوئیٹوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ بارہ سو کالجوں سے کوئی ایک لاکھ پچاس ہزار گریجویٹ نکلے، جن میں ستر فیصدی طلبا، آموزدہ کار تھے۔ تیس فیصدی شادی شدہ تھے، اور ان میں اٹھانوے فی صدی ایسے طلبا تھے جو جرآت سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے، اطمینان کے بھوکے تھے حالانکہ

زندگی تابندگی

انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل میں اطمینان کی اصلی قسم وہی ہوتی ہے جو خود میں پیدا کی جاتی ہے۔

یہ لوگ جن کی بیشتر تعداد وادیوں میں دیکھی گئی ہے خندہ پیشانی کے ساتھ مشین گنوں اور ٹینکوں کے مقابلے پر آئے ہیں، لیکن ایک بات جو انھوں نے واضح کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک کام بالکل نہیں کریں گے یعنی وہ کبھی قسمت آزمائی نہیں کریں گے۔ ان میں سے صرف بارہ فی صدی ایسے ہیں جن میں سے ہمارے ملک کے لیے کل لیڈر پیدا ہوں گے یا ان میں سے کوئی کاروبار کی جانب رُخ کرے گا یہ بارہ فیصدی والے لوگوں میں سے چند بڑے بڑے کاروباری عہدے پر فائز ہوں گے، اور اپنی خدمات کے اختتام کے بعد پنشن کی معقول رقم وصول کریں گے

آپکو ایسے بھی طلبا ملیں گے جو یہ سوچتے ہیں کہ ان میں کاروباری صلاحیتوں یا ذمہ دارانہ اہلیتوں کا فقدان محض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے ایک خاصی مدت گھر کے اندر پنگوڑے میں گذاری ہے، بعد ازاں کچھ سال ملازمتوں پر بسر کئے ہیں، جہاں انھیں جو کھاتے، جو پینے کے لیے کہا جاتا وہی قبول کرتے اور پھر انہیں اس کے بعد مار دھاڑ کے ساتھ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا گیا، جہاں کے قواعد و ضوابط پھر اُن کے لیے ایک معین اصول کی پابندی بن کر رہ گئے اور ان کے اپنے ذہن کو پروان چڑھنے کا موقع نصیب نہ ہو سکا، یہ لوگ صرف پنگوڑے سے عشق کرتے ہیں، "

ان قابل رحم طلباء کے متعلق جنھیں پہلے اطمینان پھر کچھ کا سودا سمایا رہتا ہے، ان کو فوج کے جنرل آئزن ہاور نے ایک دفعہ کولمبیا یونیورسٹی میں مخاطب ہو کر کہا تھا۔

اس زمانے میں ہم اطمینان کے متعلق ہم بہت کچھ سنتے آئے ہیں، ہم ہر چیز میں اطمینان ڈھونڈتے ہیں ہم پہلے سے یہ اطمینان کر لینا چاہتے ہیں کہ ہمیں بھوکا تو نہیں مرنا پڑے گا یا سردی یا بارش میں بے پناہ ہو کر ٹھٹھرنا تو نہیں پڑے گا، اگر آپ بھی اس قسم کے اطمینان کی تلاش میں یہاں میری تقریر سننے آئے ہیں تو میں کہہ دوں کہ آپ ایک غلط جگہ آ گئے ہیں میرا تو یہ ایمان ہے کہ اگر بنی نوع انسان کو کامل اطمینان حاصل ہو جائے تو اس کے وجود کا تسلسل ٹوٹ کر رہ جائے گا، زندگی اسی کا تو نام ہے کہ یہ جدوجہد کے لیے آپ کو اکساتی رہے اور ظاہر کہ مکمل اطمینان میں جدوجہد کا عمل باقی نہیں رہتا،

مجھے توقع ہے کہ اس سال کے آخر تک یا آپ کے کورس کے ختم ہوتے تک آپ "موقع" کے لفظ کو اپنا آدرش بنا لیں گے اور اس لفظ کو سر کرنے میں اپنی قوت صرف کر دیں گے"۔

موجودہ دور کے ایک بہت بڑے نفسیات کے ماہر ڈاکٹر وان ایورلش جن کا خیال ہے کہ لفظ اطمینان پر تباہ کن حد تک زور دیا جا رہا ہے، اس باب میں یوں رقم طراز ہیں۔

"دنیا میں ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے جسے ہم کامل اطمینان کے نام سے پکاریں" ڈاکٹر صاحب کا فرمان ہے" اس خام اور پیچیدہ دنیا میں اس وقت تک اطمینان کا گذر ہی نہیں ہو سکتا تاآنکہ ہم ایک دفعہ خطرے کے بھنور میں خود کو پھینک نہ دیں"۔

"ہم اگر اپنے قوتِ متخیلہ کو بروئے کار لائیں اور اس میں شدت پیدا کر کے خطرے مول لینے کی جرآت حاصل کر لیں جب ہی ہم خود کو کسی قدر اطمینان دے سکتے ہیں"۔

اب آپ ہی بتائیے کہ اس زمانے میں کالج سے نکلے ہوئے کتنے گریجویٹ ہوں گے جو ٹھوس انداز میں خطرات میں کود پڑنے یا کسی اہم کام میں ہاتھ ڈال لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر کالج کے اُن طلباء پر ہی بس نہیں متی پولس کیس کمپنی کے عہدہ دار کلفورڈ ہیرگن سن نے ۲۲۷۳ عرضیوں کا تجزیہ کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ دس مدوں میں سے عرضی گذاروں نے ایک مد" اطمینان، تحفظ" کو سر فہرست لکھا، تنخواہ نہیں اور کچھ نہیں، صرف اطمینان یہ صحیح ہے کہ اطمینان کی اہمیت کو یکسر نظر انداز کر دینے سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں ہو سکتی، لیکن جب یہ خواہش پوچ اور منفی قسم کے اثرات میں ملفوف ہو جاتی ہے تو مرد یا عورت کے ارادے میں لنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اس خواہش کی تمنا لاحاصل ہو کر رہ جاتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ نئے کاروبار جلد ناکام ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہر شخص

زندگی تابندگی

فرداً فرداً اپنا کاروبار نہیں سنبھال سکتا ورنہ اتنے بڑے بڑے جو صنعتی یا کاروباری ادارے ہیں وہ بند ہو جاتے، لیکن آج کے زمانے میں جو کالج سے طلبا تعلیم حاصل کر کے نکلتے ہیں، اگر ان کے رجحانات میں تبدیلی نہ ہوئی اور انھوں نے ٹھوس انداز اختیار نہیں کئے تو ان کی ایک کثیر تعداد کاروبار اور صنعت کے میدان میں پس رو موج بن کر رہ جائے گی، اور پھر چند سال بعد وہ کف افسوس ملیں گے کہ اپنے "اطمینان و تحفظ" کی لگن کے سبب وہ اپنے ذاتی پروگرام کو لے کر آگے نہ بڑھ سکے اور ترقی کی راہ میں پیچھے رہ گئے جب کہ وہ ایک ذرا سے ٹھوس اقدام سے کہیں آگے نکل چکے ہوتے۔

اب اس اطمینان اور سب سے پہلے تحفظ والے رویئے کے مقابلے میں آپ المر ویلر کی اس کہانی کو لیجئے، جس میں تین نوجوان جو سب سے پہلے جنگ کے زمانے میں ایک دوسرے سے ملے۔ اس وقت وہ واشنگٹن کے علاقہ پاسکو میں ایٹمی پروجیکٹ کے اوپر کام کر رہے تھے جب ان کی ملازمت ختم ہو گئی،" ویلر بیان کرتے ہیں " انھوں نے کسی متبادل سکیم پر غور کرنا شروع کیا، اور اس چیز نے انھیں کامیاب کاروباری بنا دیا۔

ان میں سے ایک صاحب جن کا نام ٹانی زیٹ تھا، کاروباری تنظیم کے متعلق منی سوٹا کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ دوسرے صاحب جن کا نام جان ربی تھا، ایک چھوٹے کارخانے کے مالک تھے اور انھیں مشینوں اور اوزاروں سے واقفیت تھی۔ تیسرے صاحب یعنی ہرب اوسبورن

مشین کی رکاوٹوں کا تجربہ رکھتے تھے اور اٹیمی پروجیکٹ کی مشین والی دکان پر نگراں کار کی حیثیت سے کام کر چکے تھے

آخر وہ وقت آ گیا جب حکومت نے ان تینوں کو خدمات سے سبکدوش کر دیا اور انھوں نے بھی دوسرے ہزاروں انسانوں کی طرح خود سے سوال کیا "اب کیا ہوگا"، پہلے انھوں نے کچھ سوچ بچار کیا، اپنے تجربے اور ہنرمندی کے لحاظ سے وہ اپنی ذاتی مشین یا اوزار کی دکان کھولنے کے لیے ہر طرح سے موزوں تھے یہاں تک تو عام آدمی بھی پہنچ جاتے ہیں لیکن وہ اس سے بھی آگے بڑھے، ان تینوں کو ہمارے نظام کاروبار میں ایمان و اعتماد تھا چنانچہ وہ اس میں پل پڑے، ان کے پاس سرمایہ زیادہ نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنی دکان خود بنائی، ان کے کاروبار میں نفع نقصان ہوا، لیکن انھوں نے دامن ہمت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور اب دکان کے ساز و سامان کے علاوہ خود ان کی بنائی ہوئی چیزیں روز افزوں مقبولیت حاصل کرتی جا رہی ہیں اور یہ گھر شہرت کی مالک ہیں، ان کی کامیابی کے راز خوب ہیں انھوں نے اندھا دھند اس میں ہاتھ نہیں ڈال دیا تھا، سب سے پہلے انھوں نے اپنے اپنے فن کا تجربہ کیا، انھوں نے حالات اور گردو پیش کا جائزہ لیا اور پھر انھوں نے مکمل سے پرداخت کیا کہ ان کے لیے سب سے زیادہ موزوں کیا چیز رہے گی مگر انھوں نے صرف لائحہ عمل مرتب کر کے ہی بس نہیں کیا —— بلکہ انھوں نے فوراً ہی اس پر عمل درآمد شروع کر دیا —— اور اس

موقع کے لحاظ سے جن میں وہ صحیح معنوں میں خود کو کامیاب بنا سکتے ہیں۔

انسان کا کیریئر محض اس وجہ سے تباہ نہیں ہو جاتا کہ وقت اس کا ساتھ نہیں دیتا، اسے سرمایہ کی کمی ہوتی ہے۔ یا اس کے جسم کا کوئی عضو بدکار ہوتا ہے اگر کیریئر برباد ہو جاتا ہے تو اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ ٹھوس اقدام کی اس میں کمی ہوتی ہے، اوپر میں نے جن تین بھرپور قسم کے نوجوانوں کا واقعہ بیان کیا ہے وہ تینوں ٹھوس دماغ کے مالک تھے، اور انھوں نے خود کو کاروبار میں سمونے کے لیے ٹھوس قسم کی تکنیک سے کام لیا، اب اگر یہی تینوں حضرات منفی رجحان کے لوگ ہوتے تو ان کا ذہن ایک سو ایک منفی وجوہات کے متعلق سوچتا کہ وہ اس کام کو کریں گے تو یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ وغیرہ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بڑی کامیابی سے محروم رہ جاتے، اگر ان میں اس قسم کے منفی احساسات کا دخل ہوتا تو وہ اسے شروع ہی نہ کرتے اسی لیے یہ مقولہ درست ہے کہ بہترین قسم کے پہلو ٹھوس قسم کے لوگوں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں اور سڑے گلے والے منفی قسم کے لوگوں کے حصے میں آتے ہیں۔

ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ میرے ایک ہمسایہ نے آج کے دور میں کوئی کاروبار شروع کرنے اور اس کی کامیابی کی فضول توقع کرنے پر ایک لمبا چوڑا لیکچر دیا، ان صاحب کا کہنا تھا کہ جب تک کثیر سرمایے کے ساتھ کاروبار شروع نہ کیا جائے، کامیابی کی توقع محال ہی نہیں ناممکن ہے۔

انھوں نے کہا کہ آج کل حکومت چھوٹے موٹے کاروبار کو تو پنپنے ہی نہیں دیتی، کیونکہ آمدن کا ایک کثیر حصّہ وہ یوں ہی اُڑا لے جاتی ہے۔ انھوں نے کوئی گھنٹہ بھر صرف کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ فی زمانہ جب تک کسی کاروبار کی پشت پہ ایک کثیر رقم نہیں، اس کاروبار کے پنپنے کا کوئی امکان نہیں۔ اُن کے بعض حقائق آج کے دور کے مطابق بھی اتنے ہی درست تھے جتنے وہ آج سے سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ آج کے دور میں اپنے لیے جگہ بنانا زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ مگر ناممکن تو نہیں ہو گیا۔ ہر چند کہ ٹھوس ذہن منفی اسباب و عمل پر بھی غور کرتا ہے مگر وہ ٹھوس عناصر پہ زیادہ زور دیتا ہے اور اس طرح ٹھوس اقدام کی قوت سے منفی رجحانات پہ غالب آجاتا ہے۔

اب میں آپ کو ایک صاحب رچرڈ ٹائزن ہرس کا واقعہ سناتا ہوں، اور آپ اس واقعے میں ٹھوس اقدام کی بے پناہ قوتوں کا سراغ لینے کی کوشش کیجیے۔ ٹائزن نے ۱۹۳۶ء میں ییل یونیورسٹی سے گریجویٹ کی ڈگری حاصل کی، وہ اگر چاہتا تو بڑی آسانی کے ساتھ بغیر کسی بھاگ دوڑ کے اپنے اباجان کے اون کے کاروبار میں شامل ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ ٹھوس رجحانات کا مالک تھا اور اُس نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ اپنے اباجان کے ٹکڑوں پہ پلنے کی بجائے زندگی میں اپنا راستہ خود ہموار کرے گا۔

چنانچہ اُس نے کسی سے پانچ سو ڈالر بطور قرض لیے کہ زنانہ آرائش کا ایک کاروبار کلیو لینڈ میں خرید لیا، اس نے محسوس کیا کہ بالوں میں لہریں پیدا کرنے کے لیے جو مشینیں دستیاب ہیں وہ بہت زیادہ قیمتی ہیں، اور گاہکوں کو بال میں لہریں بنوانے کے لیے بہت زیادہ پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، چنانچہ وہ بالوں میں لہریں ڈالنے کے لیے گھریلو انداز کا سسٹم ایجاد کرنے کا تہیہ کرکے بیٹھ گیا، تاکہ عورتیں گھر بیٹھی اپنے بالوں میں لہریں پیدا کرسکیں اور انھیں اس میں کافی بچت ہو، اس قسم کی کوشش میں پہلے سے دوسرے لوگ بھی مصروف تھے، مگر انھیں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی، تاہم اس چیز نے ٹائزن کے عزم و استقلال اور ٹھوس ارادے میں کوئی لغزش پیدا نہیں ہونے دی، آخر میں اس نے پچیس سینٹ کی ایک مشین تیار کرلی جو گھر میں بیٹھے بالوں میں لہریں بنانے کے کام آسکتی تھی لیکن یہ مشین بہت بڑی تھی اور اس کا آسانی سے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ذرا مشکل تھا، اس لیے اس نے اس مشین میں اور جدت پیدا کی اور اب وہ آسانی سے اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی تھی اور اب اس کی قیمت میں بھی اتنی کمی ہوگئی تھی، کہ ہر عورت اسے اپنے گھریلو ضرورت کے لیے خرید سکتی تھی، اور بازار کے مقابلے میں پھر بھی کسی گھاٹے میں نہیں رہتی تھی، اب اگر وہ شخص یہ سوچ کر بیٹھ جاتا کہ ایک کثیر زرِ سرمایہ کے بغیر یہ کام نہیں ہوسکتا تو یہ کامیابی اسے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی تھی، اب وہی شخص

۱۹۴۷ء میں ٹانی ہوم پرمانزٹ کے نام سے بالوں میں لہریں ڈالنے کی مشین پیش کر دیا ہے، اس مشین کے بارے میں امریکہ کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ کون سی لڑکی ہے جس کے پاس ٹانی کی یہ مشین نہیں ہے۔ آپ یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ کون سا آدمی ہے جس کے پاس ٹھوس جذبے ہیں؟ چار سال بعد ہیرس ٹانی نے اپنی کمپنی کو جیلٹ سیفٹی ریزر کے ہاتھوں ڈو کروڑ ڈالر میں فروخت کر دیا۔

ٹانی والا واقعہ نہایت دلفریب، لیکن اسی زمانے کا ہے، اسی طرح کے کم پیمانے پر سہی، لیکن بعض کاروبار وجود میں آ رہے ہیں جن کی کارکردگی میں وہ لوگ شامل ہیں جو اس حقیقت کو اپنی گرہ میں باندھ چکے ہیں کہ کامیابی ٹھوس عمل کی گرویدہ ہے، ابھی پچھلے دس سال کے عرصے میں راقم الحروف کو بھی کوئی آدھ درجن کا کاروبار کرنے کا اتفاق ہوا ہے ——— اور ان سبھوں کی پشت پر کوئی زرِ کثیر نہیں تھی ——— اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس قسم کے کاروبار ہزاروں کی تعداد میں دوسروں نے بھی شروع کئے ہیں اور بے اندازہ کامیابی حاصل کی ہے۔

مثال کے طور پر کارل الف مارلٹ کی مثال لے لیجئے جو اٹلانٹا بنک میں ایک عہدے پر فائز تھے، مارلٹ صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ کتابچوں کی نمائش کے لیے ایسی خوبصورت اور نظر فریب قسم کے پیٹرے تیار کئے جائیں، جو کاؤنٹر پر رکھتے ہی بنک کاروں کی توجہ کو اپنی جانب

کھینچ دیئے۔ چنانچہ مارلٹ نے پلاسٹک کا ایک ایسا نادر اور خوبصورت ریک تیار کیا کہ دوسرے بینک والوں نے اسے بے حد پسند کیا اور اس کے بعد سے اب تک مارلٹ صاحب اسی قسم کے ریک بنا رہے ہیں اور ان کے ریکوں کی مانگ دن بدن زیادہ ہوتی جارہی ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے کاروباری دنیا سے متعلق رہنے کی بنا پر مجھے مختلف کاروبار اور کاروباری شخصیتوں سے واسطہ پڑتا رہا ہے اور بغیر کسی استثناء کے میں نے یہ دیکھا ہے کہ تمام تر کاروبار کی کامیابی کی بنا، ٹھوس اور بھرپور دماغوں کی قوت ہے اور وہ کاروبار جنھوں نے ناکامی کے منہ دیکھے ہیں ان کے پس پشت منفی رجحانات کا عمل کارفرما نظر آیا ہے، مجھے حسرت ہے کہ میں کسی ایسے ممتاز اور ہمہ گیر شخصیت کو دیکھوں جس کا نقطۂ نظر منفی ہو، مجھے حسرت ہے کہ میں کسی ایسی ناکامی کا مشاہدہ کروں جس کی پشت پہ ٹھوس اور بھرپور رجحانات کارفرما ہوں۔

کامیابی ہمیشہ ان لوگوں کی گرویدہ رہی ہے جو راسخ عزم اور ٹھوس اور بھرپور قوتوں کے مالک ہیں۔

●

اپنی دشواریوں کو اپنا حربہ جانیئے

شاید آپ سوچیں کہ یہ قوتِ فیصلہ اور ٹھوس عمل کی باتیں تو واقعی بہت خوب ہیں، لیکن اس کا کیا ہو کہ ہم مختلف رکاوٹوں کے سبب پابہ زنجیر ہیں، رکاوٹیں یا دشواریاں قطعیت کی قوت کو ہر چند سد کرنے کا موجب بن سکتی ہیں، لیکن اس کے برعکس وہ اس کی قوت میں اور زیادہ شدت پیدا کرنے کا سبب بھی ہو سکتی ہیں، ہمیں اپنے گردو پیش میں اس کے کتنے ہی ڈرامائی قسم کے ثبوت مل سکتے ہیں، یہ ثبوت آپ کو وہاں ملے گا جہاں لڑکے لڑکیاں یا مرد یا عورت کسی نہ کسی جسمانی یا دماغی رکاوٹ کے شکار ہوں ہم میں سے جو لوگ کسی ایسی رکاوٹ کے شکار ہوں، انھیں رکاوٹوں کا بہر طور مشکور ہونا چاہیئے کیونکہ انھیں زندگی میں جو کامیابی حاصل ہو گی۔ وہ بہت ممکن ہے کہ اسی رکاوٹ کے سبب حاصل ہو، آپ کو اگر صحیح معنوں میں ایسی کوئی جسمانی یا ذہنی رکاوٹ درپیش ہے تو آپ اس پر

ٹھوس قسم کے اقدام کا اطلاق کیجئے اور پھر دیکھئے کہ آپ کا کامیاب ہونا اتنا ہی یقینی امر ہے جتنا ایک سورج تاریکی کے پردوں کو چیر کر اپنی ضو پاشیاں کرتا ہے۔

یوں اپنے رکاوٹوں کا مشکور ہونے والی بات کسی قدر سنگین اور عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن اگر آپ اس تصور کو چند لمحوں کے لیے صحیح جان لیں تو آپ کو اس کی حقیقت کا علم ہو جائے گا، یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنی رکاوٹوں سے پابہ زنجیر ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے نیم قطعی طریقہ استعمال کرتے ہیں وہ اپنی غلطی کو درست کرنے یا متوازن کرنے کی راہ تو ضرور تلاش کرتے رہیں لیکن ان کا حد عمل یہیں آکر ختم ہو جاتا ہے لیکن ان ہی کے برعکس ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی رکاوٹوں پر غالب آنے کی متواتر جدوجہد کرتے ہوئے ایک ایسے نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں جسے نفسیات کے ماہرین اپنی زبان میں OVER CONPENSATION کہتے ہیں وہ ایسی ایسی کامیابیاں حاصل کر لیتے ہیں، جو دوسرے حالات میں قطعاً ان کی دسترس سے دور ہوتا، اپنی کوئی جسمانی رکاوٹ یا نقص ظاہر ہے کہ آپکے ہاتھ میں کامیابی کا پلندہ نہیں دے دیتا، لیکن ایسے نقائص یا رکاوٹیں جو آپکے اندر ٹھوس قوت عمل کو اور زیادہ تیز تر کر دیں تو کامیابی آپ کے قدموں میں ہوگی۔

میں آپ کو اس کلیے کی وضاحت کرنے کی غرض سے میری دوہلا

اور جان ڈو کی کہانی سناتا ہوں، یہ بالکل اصلی کردار ہیں لیکن آپ دیکھیں گے کہ میں جان ڈو کے کردار کی پوری طرح شناخت کیوں نہیں کراتا، یہ دونوں حضرات اپنی نوجوانی میں ایسے بخار سے دوچار ہوئے، جس نے ان کے بازوؤں، ہاتھوں، پیروں کو لوں کو اینٹھ دیا جیسے شکنجوں میں ہوں لوگ ان پر اور ان کے لواحقین پر ترس کھاتے تھے جان ڈو کو اپنے متعلق بڑا غم رہتا لیکن اس نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اپنے منفی طریق فکر کو کس طرح ترک کرے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دن بہ دن چڑچڑا ہوتا گیا اور اپنے لواحقین کے اوپر ایک جسمانی معاشی اور جذباتی بوجھ بن گیا، مسلسل تیس سال تک ایک لاحاصل غمگین زندگی گذارتا رہا، اس کا جس چیز سے سابقہ پڑتا وہ اسے تکلیف پہنچائے بغیر نہ رہتا، ظاہر ہے کہ میں ایسے شخص کی زیادہ کردار نگاری نہیں کروں گا۔

میں نے اپنے دیرینہ رفیق ہیری ڈوہلا سے اصرار کیا کہ وہ مجھے اپنے لاکھوں ڈالر پیدا کرنے والے جسمانی نقص کی کہانی سنائیے، تاکہ ان کو سننے والے اپنی زندگی میں اس سے سبق حاصل کر سکیں۔

ہیری ایک جولاہے کا لڑکا تھا، جس کے باپ کی آمدنی آٹھ ڈالر ہفتہ تھی، ہیری نے جیسے ہی بی اے کا امتحان پاس کیا، اسے اس منحوس بخار نے آلیا، اس کے وہ تمام خواب کہ کالج سے نکل کر کیمیا کے مضمون میں دماغ لڑائے گا، دھرے کے دھرے رہ گئے اس کے گھر کی خوشحال

اور پر افزا زندگی کے سارے خواب ملیامیٹ ہو گئے اور وہ پہیئے والی کرسی پہ ایک اپاہج کی گٹھری بن کر پڑے رہنے پر مجبور ہو گیا، مسلسل پانچ سال تک درد سے اس کا جسم تڑختا رہا اور اس کا ذہن اس کرب میں مبتلا رہا۔

اس کے ذہن میں درد انگیز سوال جاگ اٹھتا "آخر یہ روگ مجھے ہی کیوں لگا"

اس کے بعد یہ خیال آیا۔

"یہ قدرت کی ناانصافی ہے کہ سارے لوگ قوت اور حرکت سے مالامال ہوں اور میں سالہا سال تک اسی کرسی سے چمٹے رہنے پر مجبور ہوں"

اس کے بعد کرب میں اور اضافہ ہوا۔

"آخر مجھے یہ کس گناہ کی سزا دی گئی ہے یہ قدرت کا ظلم ہے آخر کیوں؟ کیوں؟ کیوں"

اب ہیری تمام دن اپنی پہیہ والی کرسی پر بیٹھا تنہائی کے کرب آزما لمحات میں کھوئے سے تہا رہتا، کیونکہ اس کے ماں باپ اپنی قلیل آمدنی کے لیے کام پہ باہر نکل جاتے تھے، کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟

ہیری کا ذہن تلخیوں اور احساسات میں کچوکوں سے چھلنی ہو رہا تھا۔

اور ایک تنہا اور درد انگیز لوں میں ہیری کی زندگی میں ایک عجیب چیز رونما ہوئی اسے خود بھی اس کا صحیح صحیح اندازہ نہیں تھا، کہ کیا ہو رہا ہے، اس رات اس کے ماں باپ کو بھی بظاہر اس میں کوئی تبدیلی کے ایسے آثار نظر

نہیں آئے، لیکن ہیری کی زندگی میں ایک انقلابی موڑ آچکا تھا، ایک معجزہ ظہور پذیر ہو چکا تھا، اس نے اپنے مسائل کی جانب مثبت انداز سے بڑھنا شروع کر دیا تھا،

"میں اپنے آپ سے جو سوالات کر رہا ہوں، ان سے نہ تو مجھے ہی کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ میرے والدین کو،" ہیری نے اس بات کا اپنے دل میں اعتراف کیا، یہ تمام سوالات بے سود ہیں، مجھے صحیح معنوں میں اپنے آپ سے کون سا سوال کرنا چاہیئے"۔ اس عمل نے اس کے منفی دباؤ کو توڑ دیا، جس کی اندروہ اب تک دبا ہوا تھا، اب وہ ٹھوس طریقے سے کوئی کام کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس کے ذہن میں باری باری تجویزات داخل ہوتے رہے" میں اس پہیئے والی کرسی سے چمٹا ہوا اپنے یا دوسروں کے کیا کام آسکتا ہوں۔ میں موجودہ صورت میں کیا کر سکتا ہوں اور کس طرح دوسروں کے کام آسکتا ہوں، میں ایسا کون سا کام کر سکتا ہوں، جس سے میں اپنے والدین کے بوجھ کو کم کر سکوں۔ یہ دو سوالات تھے جن کے لیے ٹھوس جوابات، دو ٹوک فیصلے اور بھرپور عمل کی ضرورت تھی۔

ہیری کے ذہن میں امکانات کے جیسے دروازے کھل گئے، وہ ایک ایک کر کے تمام امکانات کو رد کرتا ہوا چلا گیا اور کسی زیادہ قابل عمل قسم کے امکان کی تلاش میں محو ہو گیا، اور بیک وقت کئی چیزوں کے کاموں کے متعلق سوچنے لگا، لیکن اسے کچھ قابل عمل محسوس نہ ہوئے، لیکن ان میں

ایک بات تھی وہ یہ کہ اپنے موقع کے لحاظ سے ٹھوس انداز میں وہ کچھ کرنے کا تہیہ کر بیٹھا آخر کار ———— قصے کو مختصر کرتے ہوئے ———— میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس نے پوسٹ کارڈ میں رنگ بھرنے شروع کر دیئے جس کی اسے کوئی خاص تربیت حاصل نہیں، اس نے اس قسم کے کچھ کارڈ فروخت تو کیے لیکن گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے جو کچھ ملتا تھا وہ بہت زیادہ قلیل تھا، چنانچہ اب اس نے ایک اور منصوبہ سوچا وہ چھپے ہوئے کارڈوں کو بذریعہ ڈاک فروخت کرنے لگا، اس کے کام میں اتنی توسیع ہو گئی کہ آج ہر شہر میں اس کے کارڈ لاکھوں آدمی فروخت کرتے ہیں، اس کا کاروبار اس وقت لاکھوں ڈالر سے زیادہ ہے۔

ابھی چند روز پہلے میں ہیری ڈوبلا سے ملنے گیا وہ اپنے وسیع کاروبار کے سلسلے میں فنچ برگ، ماچوسیٹس اور فلوریڈا میں وقت گذارا کرتا ہے لیکن اکثر و بیشتر اپنے ذاتی ہوائی جہاز پر بیٹھ کر نیویارک آتا رہتا ہے، میں اس کے نہایت عالی شان اور پر تکلف مکان میں بیٹھا ہوا تھا جو ہمپ شائر ہاؤس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے میں نے اس مکان کے تیسویں منزل سے جھانک کر سنٹرل پارک کو دیکھ رہا تھا، ہیری اپنی پہیہ والی کرسی میں بہ آسانی اِدھر اُدھر حرکت کر رہا تھا، اس کی میز پر ٹیلیفون کی گھنٹیاں زور شور سے بج رہی تھیں آخر اس نے انھیں بند کر دیا، یہ گھنٹیاں اس کی دلچسپ گفتگو میں حائل ہو رہی تھیں، میں ذاتی طور پر ہیری کو ان پڑھے لکھے آدمیوں میں

شمار کرتا ہوں، جنھیں میں دل سے چاہتا ہوں، وہ اپنے کاروبار کو تنہا سنبھالے بیٹھا ہے، اس کی دلچسپی کی ہزاروں چیزیں ہیں، اس کے بے شمار دوست احباب ہیں۔

"ٹھہرو، میں تمھیں ایک نہایت عجیب و غریب چیز دکھاتا ہوں" ربیری نے یہ کہا اور اپنی کرسی کو موڑ کر کمرے کے ایک گوشے میں گیا جہاں ایک برقی آرگن باجہ رکھا تھا۔ اس باجے کی موسیقی نہایت ہی خوشگوار تھی۔ وہ اس باجے کو اپنے جسمانی نقص کے باوجود بڑی چابکدستی کے ساتھ استعمال کرتا ہے اور بیک وقت تمام برقی تاروں کو قابو میں رکھتا ہے ربیری کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے اس میں وہ کسی تربیت کے لیے کسی فرد کا محتاج نہیں رہا، اس کا ٹھوس اور جری عمل تھا جو اسے اس مقام پر لایا، اب جان ڈو کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

اسی زندگی کے ایسے اور کئی بے شمار ربیری کے نقص کی وجہ سے کامیابی کے اونچے معرکے سر کئے بیٹھے ہیں، نقص کے باوجود نہیں، آپ دنیا کے عظیم ترین اور کامیاب انسانوں میں ایسا ایک انسان بھی نہیں بتا سکتے جو کسی نہ کسی عضوئی یا ذہنی نقص کا شکار نہ رہا ہو، آپ دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ شاہراہ حیات پر جری اور ٹھوس انداز میں بے دھڑک چل رہے ہوتے ہیں اور وہ اپنے راہ کی رکاوٹوں کو کبھی خاطر میں بھی نہیں لاتے، اگر ہم اعداد و شمار کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ

ہم میں سے کتنی کثیر تعداد ایسے جسمانی یا ذہنی رکاوٹ کی شکار ہے
امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کی اطلاع ہے کہ امریکہ میں ایک چھ لاکھ افراد
ایسے ہیں جو یا تو مکمل طور پر بہرے ہیں یا اونچا سنتے ہیں اس کے علاوہ
لاکھوں ایسے ہیں جو دوسرے جسمانی نقائص کے شکار ہیں، لاکھوں ایسے
ہیں جو ذہنی نقائص کے مارے ہوئے ہیں، لاکھوں ایسے ہیں جو احساسِ
کمتری کے ہاتھوں تباہ ہیں، اور لاکھوں ایسے ہیں جو اُن سے نسبتاً کم
تکلیف دہ مرائض کے شکار ہیں، اس کے باوجود انہی میں سے ٹھوس
اور جری قسم کے لوگ عام سطح سے اٹھ کر بلند سطح پر آ جاتے ہیں اور اپنا
نام روشن کرتے ہیں اور ان کے ہی دوش بدوش منفی فکر کے لوگ ہوتے
ہیں جو اپنی شکست دلی کے باعث اپنا مقام ان ہی لوگوں میں پیدا
کر لیتے ہیں، جن کی ساری عمر آہ و واویلا کرتے کٹ جاتی ہے، اسی طرح
ہوتا رہا ہے، تاریخ ایسے جری اور بہادر لوگوں کے ذکر سے بھری پڑی
جو اپنے نقائص اور ایسی دشواریوں کے باعث عظیم اور ہمہ گیر شخصیتوں
کے مالک بنے۔ اس قسم کی ممتاز شخصیتوں میں سے چند ایسے بھی ہوں گے
جنھیں ہم بھی جانتے ہیں، جنھیں ممکن ہے اتنی شہرت نہ ملی ہو مگر وہ اسی
قدر شجاعت اور بہادری کے نمونے کہلا سکتے ہیں۔

آپ اپنی یادداشت سے ایسے نقائص کے شکار لوگوں کو تلاش
کیجیے، جنھوں نے عظمت حاصل کی ہو، ذیل میں چند ایسی شخصیتوں کے نام

زندگی تابندگی

درج کیے جاتے ہیں جو اگر چاہتے تو عمر بھر یہی رونا روتے رہ جاتے کہ قدرت نے ان کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے، انھیں اس لائق ہی نہیں بنایا کہ وہ زندگی کو کچھ دے سکتے، کیا آپ ان لوگوں کے جسمانی نقائص کا نام گنوا سکتے ہیں

جسمانی نقص

۱: جولیس سیزر ....

۲: چارلس ڈاروِن ....

۳: لارڈ نیلسن ....

۴: جان کیٹس ....

۵ یولیس ایس گرانٹ ....

۶ لڈوگ وان بتھووِن ....

۷ لارڈ بائرن ....

۸ تھامس اے ایڈیسن ....

۹ ایڈگر ایلین پو ....

۱۰ جان ملٹن ....

۱۱ ڈیموستھینز ....

۱۲ چارلز سٹین متز ....

۱۳ الزابتھ بیرٹ براوٴننگ ....

۱۴ پیٹر اسٹوویسانٹ ....

۱۵: الگزنڈر پوپ ....

۱۶: رابرٹ لوئیس اسٹونسن ....

۱۷: فرینکلن۔ ڈی۔ روزولٹ ....

اس فہرست کو اگر پھیلایا جائے تو ایک ٹیلیفون ڈائرکٹری پر محیط ہو سکتی ہے، مندرجہ بالا فہرست کے نقائص درج ذیل ہیں:

(۱) مرگی (۲) مستقل علالت (۳) ایک آنکھ (۴) دق (۵) حلقوم کا سرطان (۶) بہرا پن (۷) پانو پھرا۔ (۸) ایام طفولیت سے بہرا پن (۹) فساد اعصاب (۱۰) ادھیڑ عمر کا اندھا پن (۱۱) لکنت (۱۲) کوزپشت (۱۳) مستقل علالت (۱۴) لکڑی کا پاؤں (۱۵) کوزپشت (۱۶) دق (۱۷) بچپن کے زمانے سے مفلوج۔

یہ تو ان ممتاز اور کلاسیکی قسم کے مرد اور عورتوں کے نقائص تھے جس پر اپنے ٹھوس اقدامات کے باعث انھوں نے قابو پایا، اب موجودہ دور کے لوگوں کے بارے میں بی سن لیجیے ویٹرنز ایڈمنسٹریشن کے دیکھے لیے، لوگوں کی فائلوں سے بھری پڑی ہیں جنھوں نے اپنے جسمانی نقائص کے باوجود ایک نئے سرے سے اپنی زندگی کی تعمیر کی۔

ان میں ہی ایک ایف المن صاحب کا واقعہ ہے، آپ پنسلوانیہ یونیورسٹی میں ان کے حالیہ ریکارڈ کا معائنہ کیجیے اور اس نقص کا کھوج لگانے کی کوشش کیجیے، اگر آپ اس کا اندازہ صحیح طور سے نہ کر پائیں تو ذرا

دماغ لڑایئے کہ آخر وہ کون سی چیز تھی جو انہیں زندگی کی دوڑ میں روکے کھڑی تھی؛ وہ یونیورسٹی کے کشتی کے مقابلے میں زبردست پہلوان گردانا جاتا تھا، یونیورسٹی کو اس شخص پر بجا طور پر فخر اور ناز تھا، اسے کئی انعامات ملے جو اس کی شخصیت، کردار، جسمانی چستی وغیرہ پر دیئے گئے۔ یہ مشہور پہلوان آخر ایسے کون سے نقص کا حامل تھا؟ جی تو سنیئے، اس کی پسلی آپریشن کے ذریعے نکال دی گئی تھی، اس کی کہنی کو بیماری لگی ہوئی تھی، اور اس کا گھٹنہ مڑا ہوا تھا،

اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ بوب المن اندھا بھی تھا۔

آپ اپنے نقائص سے کیا کام لے رہے ہیں؟

نیویارک یونیورسٹی میں کوچوان ایلنگ کی تربیت کے باعث لنگڑے لولوں نے بھی پو کھٹے پھلانگنے کی مشق سیکھ لی، وان ایلنگ نے ایک ایسے لڑکے کو جو بچپن کے ایام سے مفلوج تھا اسے ایسی تربیت دی کہ وہ ایک جست میں پانچ فٹ نو انچ کی اونچائی کو پھلانگ گیا پھر وان ایلنگ نے اسے اور بھی اونچا کر دیا، کیا آپ نے بغیر اس نقص کے کبھی ایسی جست لگانے کی کوشش کی ہے؟ اگر کبھی کوشش کریں تو میں آپکو اتنی نصیحت کردوں کہ آپ پہلے تین فٹ سے زیادہ اونچائی کو پھلانگنے کی کوشش نہ فرمایئے گا۔

ہم لوگ اپنے نقائص سے کس قدر مستفید ہو رہے ہیں؟

آپ کو شاید اس دور کے سب سے عظیم مزاحیہ تمثیل اور ناول "ابا جان کے ساتھ" (LIFE WITH FATHER) پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو، تو

آپ نے بہت سارے قہقہے اس پر صرف کئے ہوں لیکن اس تمثیل کے مصنف کلیرنس ڈے نے یہ تمام ڈرامہ اپنی انگلی میں پنسل کو باندھ کر رقم کیا تھا، اس کی انگلی اسپین کی جنگ میں زخمی ہو چکی تھی اور وہ آزادانہ اس سے کام نہیں لے سکتا تھا۔

آپ کا اپنا نقص آج کس منزل میں ہے؟

بڑا سے بڑا نقص بھی ٹھوس اور قطعی دماغ لوگوں کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا، وہ صرف زندگی کے منفی رُخوں کو روک سکتا ہے۔

آپ کی راہ میں کونسی کمی مانع ہے؟ سرمائے کی کمی، تعلیم کی کمی، وقت کی کمی، دوسری حسبِ خواہش چیزوں کی کمی یا محض لے دے کر ٹھوس اقدام کی کمی آپ کے مانع ہے۔

دس سالہ بچی انجیلین کنگسبری اپنے جھولے میں خوب زور زور کی پینگیں لے کر اونچے سے اونچا جانے کی کوشش کر رہی تھی، یکایک اس کا ہاتھ جھولے کی رسی سے چھوٹ گیا اور وہ گر پڑی، وہ کمر کے نچلے حصہ سے مفلوج ہو گئی، اس کی ماں اپنا اور بچی کا خرچ چلانے کے لیے ہسپتال میں نرس کا کام کرتی تھی۔ اس لیے بچی کو گھر پر تنہا ہی رہنا پڑتا تھا، وہ بچی گھر پر لکھنے پڑھنے میں مصروف رہنے لگی۔ اور پھر اس نے ہائی سکول کا امتحان بڑے اونچے نمبروں سے پاس کیا۔ مِنی پولیس کا کوئی صنعتی یا کاروباری اسکول اسے داخلہ دینے کو تیار نہ تھا، کیونکہ اس کے متعلق لوگوں

کی عام رائے تھی کہ اس کا نقص اسے روزی کمانے کی اجازت نہیں دے گا، آخر کار وہ اس اسکول میں واپس آ گئی اور بعد میں اس اسکول کی صدر کی سیکریٹری بن گئی۔

آپ محکم قسم کے آدمی کو تو روک ہی نہیں سکتے نا، ایقلین کی خواہش تھی کہ وہ گائیکہ بنے، اس نے سیکریٹری کے عہدے سے جو روپے پیدا کیے، ان سے اس نے موسیقی کے اداروں میں تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی اور بعد میں کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم کے گانے کے مقابلے میں اوّل آئی۔ اسے نغمات کے خاکے تیار کرنے کی بڑی صلاحیت تھی، چنانچہ وہ اس طرح ترقی کرتی ہوئی کاؤنٹس ہیلینا مارزن کے یہاں پیانو نوازی اور منے سوٹا فیڈریشن آف میوزک کلب کی صدر بن گئی۔

ایقلین منٹگمری فرماتی ہیں "میرا سب سے پہلا قدم یہ تھا کہ میں سرے سے اپنے نقص کے بارے میں سوچوں ہی نہیں ——— کیونکہ خود ترسی سے بڑی اور کوئی معذوری نہیں ہو سکتی۔"

اور ٹھوس اور محکم انداز خود ترسی کو ختم کر دیتا ہے۔

اوپر جو واقعات اور مثالیں پیش کی گئی ہیں، ان میں کسی خاص انتخاب کو دخل نہیں رہا ہے، ایسی اور بھی ایک ہزار ایک مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ان سات سو اپاہج مزدوروں میں سے کسی ایک کو چن سکتے ہیں جو ویسٹرن الیکٹرک کمپنی میں تربیت پا رہے ہیں۔ ایک دن کمپنی

کے اعلیٰ عہدے داروں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ان سات سَو اپاہج قسم کے مزدوروں کے کام کا موازنہ ان سات سَو مزدوروں سے کریں گے جن میں جسمانی طور پر کوئی نقص نہیں ہے، یہ چودہ سو افراد ایک ہی قسم کا کام کرتے تھے، ان تمام مزدوروں کی پیداوار مزدوری اور غیر حاضری کے حساب سے جب جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان تینوں مدوں میں اپاہج قسم کے مزدوروں کا کام سالم مزدوروں کے کام سے بہت بہتر تھا۔

جب یہ بات پایۂ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ غیر تعلیم یافتہ اور اپاہج قسم کے لوگ اپنی قوت محکم سے اپنے مسائل کو حل کر لیتے ہیں، تو اس صورت میں ان لوگوں سے کسی قسم کی ہمدردی کی گنجائش نہیں رہ جاتی، جو یہ رونا روتے ہیں کہ اف! مجھے تو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملا، کیا کروں؟ اگر میں کالج سے تعلیم حاصل کر کے نکلتا تو ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیتا۔" کوئی ان سے پوچھے کہ آخر وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ امریکہ میں کون کیا۔ میں جتنی مرد و زن شخصیتیں درج ہیں ان کا ایک بیشتر حصہ کالج کی تعلیم سے محروم رہا ہے، لیکن انھوں نے خود تعلیم حاصل کی ہے۔ ابھی حال ہی کا واقعہ ہے۔ بی سی فوربس نے امریکہ کے پچاس بہت اونچے قسم کے عہدے داروں کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا تھا ان میں سے تقریباً نصف تو ایسے تھے جنھوں نے کالج کا منہ تک نہیں دیکھا تھا بوب ڈیوان نام کے ایک صاحب تھے جو ٹرک چلاتے اور ایک چھوٹی سی موٹر کی مرمت کی

دکان کے مالک تھے، انھیں کالج کی تعلیم حاصل نہیں تھی، انھوں نے شادی کی اور کچھ عرصہ بعد نیو یارک شہر میں سراغرسانی کے فرائض انجام دینے لگے وہ رات کو گھر بیٹھ کر پڑھتے تھے، پھر انھوں نے نیو یارک یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، جون ۱۹۴۹ء میں انھوں نے قانون میں ایم-اے کی ڈگری حاصل کر لی۔

بے شمار مرد اور عورتیں، ہاتھ پاؤں سے محروم، آنکھوں سے محروم تعلیم سے معذور، جدی یا پشتی دولت سے محروم ہونے کے باوجود مستقل کامیابیاں حاصل کرتے چلے آ رہے تھے، وہ زندگی کی تمام نعمتیں اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ وہ معذور ہیں۔ ——— البتہ ان میں ٹھوس اور محکم اقدام کی قوت ضرور ہوتی ہے۔

لوگوں کی ایک بڑی اکثریت پیشے کے انتخاب کے موقع پر متلون یقین سی ہوتی ہے یہ اکثریت نہیں سوچتی کہ وہ دراصل کس کام کے لیے زیادہ سے زیادہ موزوں ثابت ہو سکتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ بھٹکتے رہتے ہیں ان میں اتنی محکم قوت ضرور ہوتی ہے کہ وہ بھوکوں مرنے سے بچے رہتے ہیں لیکن وہ زندگی کی ناؤ کو بغیر پتوار یا کمپاس کے کھیتے رہتے ہیں، اس کے برعکس معذور قسم کے لوگ جو ایک مخصوص پابندی میں جکڑے رہتے ہیں، حالات کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور ٹھوس اور محکم قوت عمل سے کام لے کر اپنے لیے بہتر سے بہتر صورت پیدا کرنے پر تل جاتے ہیں، منفی رجحانات کے لوگ

ہی انھیں کاروبار مختلف پیشوں اور زندگی کے میدان میں داخل ہونے
کی جگہ دے دیتے ہیں:

۷

ہم سماجی مرتبہ کے بھوکے ہیں

مثبت اور محکم قوتوں کو زندگی کی مادی کامیابیوں کے حصول میں استعمال کرنے سے کہیں زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ ہم انسان کے تین گہری خواہشوں کی تسکین کے لیے استعمال کی جائیں۔ ان تین اہم خواہشات کی تسکین صرف اسی وقت ممکن ہے جب مثبت اور محکم قوتوں سے کام لیا جائے۔ کھانے، پینے پہننے، رہنے اور روحانی اعتماد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی چند اور بھی ناگریز ضروریات ہیں جنھیں ماہرین نفسیات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ا: سماجی مقبولیت کی ضرورت۔ ہم میں سے ہر کوئی ایسی جماعت یا محفل میں جگہ پیدا کرنا چاہتا ہو جو ہمیں محبوب خاطر ہوتی ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اس انجمن کے ایک فرد ہوں، ہمارا اس سے یقینی طور پر تعلق ہونا چاہیے؛ اگر ہم اس انجمن سے دور رہے تو ہم اپنی تنہائی کے ہاتھوں مر رہیں گے اور اگر ہمیں ایسی انجمنوں سے جلاوطن رہنا پڑا تو اس مقدر

کا کیا فائدہ ؟

۲ : محبت کی پر سکون زندگی کی ضرورت: محض کسی انجمن میں ہی مقبولیت حاصل کرنا کافی نہیں ہوتا، ہر مرد اور عورت کی یہی خواہش رہتی ہے کہ وہ کسی ایک فرد کے لیے خود اکیلا سب کچھ ہو، ہر مرد کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ ایک عورت کے دل میں اپنی ایسی جگہ بنائے کہ پھر دوسرا آدمی وہ جگہ نہ حاصل کر سکے اور ہر عورت کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ وہ فقط ایک مرد کی محبوب نظر ہو۔

۳ : اپنی انا کی تسکین کی ضرورت : یہ تو ہر شخص چاہتا ہی ہے کہ وہ کسی محفل، جماعت یا سماج میں جگہ حاصل کرے یا کسی فرد واحد کا محبوب نظر بنے لیکن اتنا ہی کافی نہیں، ہر شخص کے لئے زندہ رہنے کی ایک خاص وجہ ہونی چاہئے، ہر مرد یا عورت کو یہ لگن ہوتی ہے کہ وہ جماعت یا سماج میں اپنے حقوق کے اعتبار سے متفرد تصور کیا جائے یعنی ہم سب لوگ ممتاز منفرد افراد بننے کی آرزو رکھتے ہیں۔

اگر ہم پر مسرت اور پر سکون زندگی کے داعی ہیں تو ہمارے لئے ان تین ضروریات کو پورا کرنا ازبس ضروری ہے۔ اور ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مثبت اور محکم اقدام کی ضرورت ہوگی جو ہر شخص کے لیے موجود ہے انا کی تسکین اور محبت کی پر سکون زندگی کی ضرورتوں کے بارے میں اگلے ابواب میں بحث کی جائے گی، یہاں ہم صرف سماجی مقبولیت کے بارے میں گفتگو

کرتے ہیں۔

سماج میں مقبولیت کی آرزو کی ایک سب سے زندہ مثال ڈیل کارنیگی کی کتاب "ہاؤ ٹو وِن فرینڈز اینڈ انفلوئنس پیپلز" (جس کا ترجمہ اسی مترجم نے "میٹھے بول میں جادو" کے نام سے کیا ہے) کی بے پناہ مانگ ہے، بزعم خود غلط اور فلسفیانہ مزاج کے لوگوں نے اس کتاب پر ناک بھوں چڑھائی … لیکن اسے خرید کر انھوں نے مطالعہ کیا اور اس سے مستفید ہوئے، دنیا کے لاکھوں مرد اور عورتوں نے کئی کئی زبانوں میں یہ کتاب پڑھی ہے۔

ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ ایک ریڈیو پروگرام پر میرا ایڈ میلون کے ساتھ انٹرویو نشر ہوا تھا، دراصل میں "دوست بنانے کے ہفت روزہ پلان" کا ایک تقریری سلسلہ شروع کر رہا تھا اور یہ انٹرویو اسی سلسلے کی ایک تمہید تھی، اپنی کتاب "میک دی موسٹ آف یور لائف" (اپنی زندگی سے فائدہ اٹھایئے) میں ترتیب وار پیش کیا ہے جب میں میلون صاحب کے دفتر میں پہنچا تو اسی وقت یکبارگی ٹیلیفون کی گھنٹیاں بجنے لگیں اور ڈاکیے خطوط کے پلندے میز پر انڈیلنے لگے اس تقریری سلسلے کی محض ایک تمہید کو سُن کر دوست بنانے والے طریقے کی فرمائش میں ہزاروں خطوط موصول ہوئے تھے

ان تمام پوسٹ کارڈوں، لفافوں، تاروں کو جب گنا گیا تو ان کی تعداد کہیں تئیس سو (۲۳۰۰) پر ختم ہوئی اور پھر پروگرام کے نشر ہونے کے بعد بھی کمی

ہفتوں تک خطوط کا سلسلہ قائم رہا، سماجی مقبولیت کی آرزو صرف آپ کو ہی نہیں، اور اگر آپ نے اپنی قوتوں کو صحیح طور پر استعمال کیا تو آپ بھی سماج میں قبولیت حاصل کر کے رہیں گے۔

ممکن ہے یہ بات آپ کے پسند خاطر نہ ہو، لیکن آپ خود کو خواہ کتنی ہی پیاری شخصیت کیوں نہ تصور کرتے ہوں، اپنے آپ کو کس مرتبے کا آدمی سمجھتے ہوں، لیکن اصل میں آپ کا مقام وہی ہے جہاں سماجی طور آپ اس وقت ہیں۔ اگر آپ نے موجودہ سماجی مرتبے سے مطمئن نہیں ہیں تو آپ ایک جچے تلے منصوبے اور محکم عمل کی مدد سے اسے تبدیل کر سکتے ہیں، مگر فی الحال تو آپ ٹھیک اسی جگہ ہیں جہاں آپ نے چاہا تھا۔

اگر آپ خود کو تنہا تنہا محسوس کرتے ہیں اور "میرا اس دنیا میں کوئی نہیں" قسم کی چیز محسوس کرتے ہیں تو یہ محض اس لیے کہ آپ منفی رجحانات کے تابع ہیں، اور بے پروا واقع ہوئے ہیں، اگر آپ کے ملاقاتیوں کی تعداد محض چند واجبی ملاقاتیوں، چند آفس کے لوگوں، چند ہمسایوں، ایک آدھ بس یا ٹرین پر چلنے والے مسافروں تک محدود ہے تو یہ آپ کا قصور ہے اگر آپ سستے اور گھٹیا لوگوں کے ساتھ گھومتے پھر رہے ہیں، تو آپ نے اس قسم کی جماعت کا انتخاب خود اپنے طور پر کیا ہے غالباً آپ نے کولیر بھائیوں کے متعلق کتابوں میں پڑھا ہو، جنھوں نے خود کو نیویارک کے ایک کمرے میں بند کر رکھا تھا، یا اس عورت کا ذکر سنا ہو جو سالہا سال

تک ایک ہوٹل کے کمرے میں بند رہی، وہ کھانے پینے کی چیزیں بھی دروازے کو نیم باز کر کے لیا کرتی تھی، یہ تو منفی اثرات کی انتہا کی مثالیں ہیں، مگر ان لوگوں کو اس جلاوطنی کا مشورہ تو کسی نے دیا نہیں تھا، انھوں نے اس کا خود سے انتخاب کیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عمل سے انھیں اپنی محرومیوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا تھا، اور عین اسی وقت ان کے اندر سماجی مقبولیت کی اشتہا تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی، جسے سیر کرنے کے لیے انھوں نے کوئی عملی تدابیر اختیار نہیں کیں۔

فرض کر لیجیے دو نووارد ایک ہوٹل کے اندر داخل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک آدمی جلد ہی اپنے محکم دوست بنانے کی خاصیت کے سبب بہت سے لوگوں کو اپنے جان پہچان کا سمجھ کر ملنا شروع کر دیتا ہے لیکن دوسرا آدمی، ممکن ہے تنہا میز پر کھانا کھا رہا ہوگا، سینما یا تھیئٹر تنہا جاتا ہوگا اور اسی طرح دوسرے سماجی قبولیتوں سے محروم ہوگا، آپ سب نے دیکھا ہوگا کہ دوسرے دوسرے خاندان آپ کی برادری سے اپنے رابطے قائم کر لیتے ہیں، بعض خاندان پر تپاک ہوتے ہیں اور انھیں جلد ہی دوسری برادری میں جگہ مل جاتی ہے اور ان ہی کے برعکس ایسے بھی خاندان ہیں جنھیں منفی کم آمیزی کے سبب ان کے پڑوسی بھی انھیں نہیں جانتے۔

ریڈیو کی مشہور مصنفہ تھیرا سامتر ونسلو نے ہمیں ایک بار بتایا کہ کس محکم قوت کے ماتحت انھوں نے اپنے لیے ایک ایسی سوسائٹی کا

انتخاب کیا جو صحیح معنوں میں ان کے لیے موزوں رہا۔

اوائل زمانے میں جب وہ امریکہ کے ایک دور افتادہ علاقے میں قیام فرما تھیں انھیں سنگین تنہائی سے وحشت ہوا کرتی تھی وہ ہمیشہ اپنی دادی اماں سے یہ شکایت کرتی رہتیں کہ یہاں کے لوگ یکدم بددماغ، بیہودہ، غیر دلچسپ، خشک ہیں انکا زندگی میں سرے سے کوئی مقصود نہیں ہے وہ یکدم کوئی بات نہیں سمجھتے، حالانکہ خود محترمہ کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ آخر کونسی بات تھی جس کے متعلق انھیں لوگوں سے شکوہ تھا کہ وہ نہیں سمجھتے انھوں نے خود اپنی کم آمیزی کو محسوس کرنے کی کوشش نہیں کی، دادی اماں نے انکو سمجھانے کی کوشش کی، انکے گاؤں کے لوگ نہایت سادہ لوح، بے ضرر ہیں اور وہ اپنے اور اپنے بال بچوں کیلئے حد درجہ سود مند واقع ہوئے ہیں لیکن یہ سب معروضات ان محترمہ کی تسکین نہ کر پائے انھوں نے ببانگ دہل اعلان فرما دیا کہ وہ لوگ اس کے مذاق کے لوگ قطعی نہیں ہیں اور اسکے ساتھ یہ بھی مژدہ سنایا کہ وہ نیویارک جائیں گی اور وہاں ذہین مصنفوں، مصوروں، اور اسی قسم کے لوگوں کی محفل میں شامل ہوں گی۔

یہ درست ہے، کہ مس وِنسلکو نے ٹھوس اقدامات شروع کر دیئے تھے مگر ان کا ذہن گنجلک تھا، نیویارک پہنچ کر انھوں نے اُن لوگوں کی صحبتیں اختیار کیں جو ان کی نظر میں سیم تجربت پسند قسم کے نوجوانوں کی داہیات ٹولی تھی جو بے حد پراگندہ تھے، جو غیر روایتی تھے، جو بہت زیادہ بے فکرے تھے، جن کی صحیح طور پر پرورش نہیں ہو سکتی تھی، جن کو سماجی آداب سے لگاؤ نہیں تھا، جن میں کوئی غیر معمولی ذہانت اور مقصدیت نہیں تھی یہ ایک نیچہ

سیماب آسا اضطراب انگیز قسم کے نیم پخت ادیبوں، مصوروں اداکاروں کی ایک جماعت تھی، جو پرانی اقدار کے خلاف آئیں، بائیں شائیں باتیں کرتے تھے لیکن خود کوئی ٹھوس اور محکم قسم کے تعمیری کام سے یکسر محروم تھے۔

جب خاتون محترم کو محسوس ہونا شروع ہوا کہ یہ ان کے ساتھ کیا غضب ہو گیا، اور جب انھوں نے خود کو اور اپنے دوستوں کو صحیح روشنی میں دیکھنا شروع کیا تو وہ اس جماعت سے آہستہ آہستہ تعلقات قطع کرنے لگیں انھوں نے دوستوں کے انتخاب میں ٹھوس تمیز سے کام لیا، انھیں معلوم ہوا کہ عام جگہوں کی طرح نیویارک میں بھی ایسے مخلص اور سچے لوگ موجود تھے جو اس صورت میں کہ اس کے پاس کوئی صحیح معنوں میں ذہانت اور اپج موجود ہے تو وہ اس سے ملنے کے خواہش مند تھے، چنانچہ وہ اسی طرح آہستہ آہستہ آج اس منزل پر ہیں، جہاں اس وقت انھیں امریکہ کے ممتاز ترین ڈرامہ نگاروں، ادیبوں اور اداکاروں کی رفاقتیں حاصل ہیں جو صحیح معنوں میں زندگی کو اپنے فن پاروں سے سنوار رہے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ مشہور قسم کے لوگوں کی جماعت کا انتخاب کرنا اور ان میں سے ایک کا ہو جانا اتنی آسانی سے ممکن نہیں ہے، لیکن آپ اپنے دفتر، گھر، برادری اور گرجا گھروں اور دوسری جگہوں میں معصوم اور دلکش شخصیتوں سے تو رسم و راہ پیدا کر ہی سکتے ہیں؛ آپ ایسی جماعت سے اپنا ناطہ توڑ سکتے ہیں، جو اتفاقاً اور حادثے کے طور پر آپکو نصیب ہو

گئی ہو، اور آپ پیہم ان لوگوں کی تلاش جاری رکھ سکتے ہیں جو آپ کے لیے زندگی کا راستہ ہموار کر سکیں، آپ بھی اپنے حلقۂ احباب کو وسیع سے وسیع تر کر سکتے ہیں، جیسا کہ دوسروں نے عام طور پہ کیا ہے، اس میں کوئی بڑا نکتہ یا راز پوشیدہ نہیں۔

اگر آپ اپنے سماجی مرتبے سے مکمل طور پر مطمئن ہیں تو یہ باب آپ کے کسی کام نہیں آئے گا، البتہ یہ باب آپ کو دوسرے لوگوں کی ضروریات کے بارے میں انداز دے گا، لیکن اگر آپ اپنے محکم قوتِ عمل سے کام لیتے ہوئے اپنے دوست بنانے والی خصوصیت کو اور زیادہ جامع کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہاں ایک ایسا جامع پروگرام ملے گا جو اس لیے ترتیب دیا گیا ہے جس سے مفید نتائج برآمد ہو سکیں اگر آپ آگے درج کیے ہوئے اصولوں کو ٹھکرا دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ منفی الدماغ واقع ہوئے ہیں اور آپ اس وقت جس مقام پر ہیں انشاء اللہ وہیں رہیں گے۔

بعض لوگ بے انتہا خود مطلب واقع ہوئے ہیں اور انھیں اس بات سے ذرا دلچسپی نہیں ہوتی کہ دوسرے کیا کہہ رہے ہیں دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو بڑے سماجی الدماغ ہوتے ہیں اور اس جماعت کے سلسلے میں بے حد منکسر المزاج ہوتے ہیں جن سے ان کا تعلق ہوتا ہے لیکن زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خود مطلبی اور سماجی الذہنی کے مرتکب ہوتے

ہیں ان میں بعض کی کیفیت متوازن ہوتی ہے اور بعض کی بے متوازن، اگر آپ قوت محکم سے کام لینا چاہتے ہیں تو پہلے آپکو اس کا کھوج لگانا ہوگا آیا آپ متوازن ہیں یا بے توازن۔

سماجی الذہنی اور دوستی میں بڑا گہرا تعلق ہے، خود مطلب قسم کا انسان عام طور پر غیر معروف ہوتا ہے، کیونکہ وہ فطری طور پر منفی رجحانات کے تابع ہوتا ہے، وہ کج بحثیاں کرتا ہے، اشتراک نہیں برت سکتا ہے اور اس کے ساتھ نباہ کرنا مشکل ہوتا ہے، سماجی الذہن قسم کا انسان سماجی شہرت کا مالک ہوتا ہے وہ زیادہ دوستدار زیادہ خلیق ہوتا ہے اور اس کے ساتھ نباہ کرنا آسان ہوتا ہے موخر الذکر زیادہ سے زیادہ دوست پیدا کرتا ہے، جماعت میں اس کی قدر و منزلت ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ ایک منفرد صلاحیت کا آدمی مانا جاتا ہے۔ آپ بھی اپنی سماجی قابلیتوں کا امتحان لیجیے۔

	جی ہاں	نہیں
۱: کیا آپ بہ آسانی نئے دوست پیدا کر سکتے ہیں؟	....	.....
۲: آپ جن تقریبات میں حصہ لیتے ہیں اس کا ماحول آپکو اپنا سا لگتا ہے اور آپ اسے خلوص دل سے کامیاب بنانے کے کوشاں ہوتے ہیں؟	....	.....

۳ : کیا آپ دوسروں کے متعلق تبصروں سے احتراز کرتے ہیں جو آپ ان لوگوں کے منہ پر کہنے کی جسارت نہیں کر سکتے ؟ ....

۴ : کیا آپ اعتراضات سے احتراز کرتے ہیں ؟ ....

۵ : کیا آپ اپنے دوستوں کی سرگرمیوں سے دلچسپی لیتے ہیں ؟ ....

۶ : آپ اپنے واقف کاروں کی سالگرہ اور دوسرے اہم تقریبات کے مواقع کو یاد رکھتے ہیں اور ان سے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں ؟ ....

۷ : کیا آپ کا ایسی محفلوں میں اٹھنا بیٹھنا ہے جہاں مرد اور عورتیں شامل ہوں ؟ ....

۸ : کیا آپ ان تمام کلبوں اور دیگر برادریوں میں شریک ہوتے ہیں جن کو آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے لیے شریک ہونا ضروری ہے ؟ ....

۹ : کیا آپ اپنے دوستوں کے کارناموں

اور کامیابیوں کا ذکر کرتے ہیں ؟ ....

۱۰: اگر کبھی آپ کو کسی بحث میں پڑنے
کا اتفاق ہوتا ہے تو آپ برہم تو
نہیں ہو جاتے اور دوسرے کے
نقطۂ نظر کا لحاظ رکھتے ہیں ؟ ....

۱۱- کیا آپ حاضر جواب ہیں اور گفتگو
میں اپنا پورا حصّہ لیتے ہیں ؟ ....

۱۲- کیا آپ کلب اور دوسرے اس
قسم کے اداروں میں اسی سرگرمی سے
حصّہ لیتے ہیں جتنا آپکو لینا چاہیئے : ....

۱۳- کیا آپ دوسروں کی اوٹ پٹانگ
باتوں اور بعض کریہہ حرکتوں کو ہمّت
اور استقلال کے ساتھ درگذر کر
دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ....

۱۴: کیا آپ کا حلقۂ احباب اتنا وسیع
ہے کہ آپ کی تسکینِ خاطر ہو سکے ؛ ....

۱۵: آپ مردوں اور عورتوں کی مخلوط
محفل میں طمانیت کے ساتھ گفتگو

کر سکتے ہیں ؟ ....

۱۶ : کیا آپ اپنے دوستوں اور دوسروں سے ان کے مشورے اور ان کی آراء دریافت کرتے رہیں ؟ ....

۱۷ : اگر آپ سے کسی کو کوئی کام آپڑتا ہے تو کیا آپ خواہ آپ کو اس کے لیے دشواری ہی کیوں نہ ہوتی ہو، آپ ان کا کام کر دیتے ہیں ؟ ....

۱۸ : آپ جو کام کرنے کا وعدہ کرتے ہیں کیا اسے بلا کم و کاست پورا کرتے ہیں ؟ ....

۱۹ : کیا آپ اپنے دوستوں کے گھریلو، کاروباری اور اس قسم کے دوسرے شعبوں سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں ؟ ....

۲۰ : کیا آپ طنزیہ اور مجروح کن بیانات سے اس طرح پرہیز کرتے ہیں جس طرح پلیگ یا ہیضے سے ؟ ....

۲۱ : کیا آپکو یقین ہے کہ مخالف جنس میں آپ پسندیدگی کی نظر دل سے دیکھے جاتے ہیں؟ ....

۲۲ : کیا آپ نکتہ چینی سے دُور بھاگتے ہیں؟ ....

۲۳ : کیا آپ اپنی شکایات اور تعصبات کو خود اپنے تک محدود رکھتے ہیں؟ ....

۲۴ : کیا جب کبھی آپکی کسی ایسے شخص سے ملاقات ہوئی ہے جو آپ کو پسند آتا ہے تو کیا آپ اس سے رسم و راہ بڑھانے میں پہل کرتے ہیں؟ ....

۲۵ : کیا آپ اپنے دوستوں کے سامنے ایسی تجویزات پیش کرتے ہیں جو آگے ہوتے ہیں جن سے آپ اور سارے لوگ لطف اٹھا سکتے ہوں؟ ....

۲۶ : کیا آپ اپنے دوستوں کی کمزوریوں کے متعلق ٹوہ لگانے

کی کوشش کرتے ہیں ؟ ....

۲۷: کیا آپ بیشتر اوقات خوش رہتے ہیں؟ اور اگر نہیں رہتے تو کیا آپ اپنے رنج و غم کے اثرات سے دوسروں کو تو پریدہ خاطر نہیں کرتے ؟ ....

۲۸: کیا آپ دوسروں کی رفاقت حاصل کرنے کے سلسلے میں محتاط ہیں؟ ....

۲۹: اگر آپ انھیں پسند کرتے ہیں تو کیا اپنی پسند کا اظہار جملے عمل یا یا اپنے انداز یا ان تینوں چیزوں سے کرتے ہیں ؟ ....

۳۰: کیا آپ کو پوری طرح اس بات کا علم ہے کہ دوسرے بھی اپنی تحسین و تعریف سے میری مراد ایسی تحسین و تعریف ہے جو اظہار میں آئے نہ کہ اسے دوسروں کے سمجھنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ ....

۳۱: کیا آپ اپنے دوستوں کی محفلوں میں پیش قدمی کے ساتھ انہیں پارٹی تھیٹر یا دوسرے تفریحات کا پروگرام پیش کرتے ہیں؟ ....

۳۲: کیا آپ اپنے دوستوں کی محفل میں چند نئے تفریحی مشاغل کی تجویز پیش کرنے میں اوّل رہتے ہیں؟

۳۳: کیا ان محفلوں میں دوسروں کی نسبت جلدی اور پہلے قہقہہ لگانے کو تیار بیٹھے ہوتے ہیں یا انھیں دلچسپ لطائف سے بہلاتے ہیں؟ ....

۳۴: آپ اپنے دوستوں کی نئی تجویز و نئے مشاغل اور نئی دلچسپیوں کے پروگرام کو اپنی سہولت سے قطع نظر قبول کرنے کو تیار رہتے ہیں؟ ....

۳۵: کیا آپ محفل میں ایک روح ڈالنے نئی چیزیں شروع کرنے اور ان کو آگے

بڑھانے میں پیش پیش رہتے ہیں ؟ ....

۳۶ : کیا آپ لوگوں کے لیے معمولی معمولی کام کر دینے کی دلاورانہ پیش کش کرتے ہیں ؟

۳۷ : کیا آپ کمیٹیوں کی رکنیت قبول کر لیتے ہیں ؟

۳۸ : آپ اپنے احباب کی جماعت میں سرگرمی دکھلاتے رہیں یا محض سست رو انداز میں اُن کا ساتھ دینے کی کوشش کرتے ہیں ؟ ....

۳۹ : کیا آپ اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ جرأت انگیز ہیں اور کوئی خطرہ مول لے سکتے ہیں ؟ ....

۴۰ : کیا آپ پر تکلف یا غیر پر تکلف مجالس میں آزادی کے ساتھ تقریر کر سکتے ہیں ؟ ....

آپ ان سوالات کا جس قدر اثبات میں جواب دیں گے اسی قدر آپ سماجی مقبولیت کے مالک ہوں گے ، یوں تو قطعی اور

سائنٹفک قسم کا یا بہتر بہدف قسم کی چیز ایسے امتحان سے ممکن نہیں ہے لیکن اوپر جو سوالات پیش کئے گئے ہیں ان کی ترتیب ان دماغوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے سماجی صفات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور جو انسانی تعلقات کے بارے میں اپنی ٹھوس رائے رکھتے ہیں۔

اگر آپ کے اس پورے امتحان میں صرف اٹھارہ ۱۸ جوابات نفی میں رہیں تو آپ کا معاملہ کچھ ٹھیک ٹھاک سا رہی ہے ممکن ہے آپ آگے چل کر لیڈر بن جائیں، لیکن آپ کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوگی اور آپ کے صرف چند مختلف قسم کے دوست ہوں گے اور آپ کا حلقۂ احباب محدود ہوگا، اگر آپ کے نفی میں صرف دس جوابات ہیں تو آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

وہ مرد اور عورت جو محکم قوتوں کے مالک ہیں وہ اپنے نفی جوابات کا بغور مطالعہ کریں گے اور انھیں اثبات میں تبدیل کرنے کے لیے عملی قدم اٹھائیں گے وہ اپنے اثباتی جوابات پر بھی تبصرہ کریں گے اور ایسی راہیں اور شکلیں وضع کریں گے جن میں ان کو زیادہ پھلنے پھولنے کا موقع میسر ہو۔

انتباہ

اگر آپ کو اپنے "جی ہاں والے" جواب تیس ۳۰ سے زیادہ نظر آتے ہیں اور اس کے باوجود آپ مناسب سماجی مقبولیت سے محروم ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ نے جوابات لکھنے میں کچھ فیاضی سے کام لیا ہے۔

آخر وہ کون سی چیز ہے جو ایک فرد کو سماجی کامیابی بہم پہنچاتی

ہے اور دوسرے فرد کو سماجی طور پر ناکام بناتی ہے؟ اس مضمون پر سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مضامین لکھے جا چکے ہیں، ان تمام کتابوں اور مظاہروں کے مطالعے سے یہ بات تو عیاں ہے کہ ایک پرتپاک، نرم اور دوستانہ قسم کا رویہ ضروری ہے مگر ان سے یہ بات واضح نہیں ہو پاتی کہ کوئی لڑکا یا لڑکی ان تمام خصوصیات کے ہوتے ہوئے بھی کیوں غیر مطمئن ہوتے ہیں اور انھیں کسی جماعت میں پروان چڑھنے کا موقع کیوں میسر آتا ہے اس مسئلے کو اگر واقعی کسی نے پوری طرح دیکھا ہے تو وہ ڈنٹن کے نارتھ ٹیکساس اسٹیٹ کالج کے ماہر نفسیات ڈاکٹر مرلی، ای لونی ہیں جن کے متعلق راقم الحروف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ سماجی مقبولیت کے باب میں انھوں نے اس دور میں ہمیں ایک ایسی چیز بخشی ہے جو بے حد اہم ہے۔

ڈاکٹر لونی نے اپنی عمر عزیز کے چھ سال سماجی کامیابیوں اور ناکامیوں کے مضمون پر بے انتہا سائینٹفک اور باقاعدہ مطالعے میں صرف کئے ہیں ان کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ آپ اگر فی الواقع سماجی کامیابیوں کے خواہاں ہیں تو آپ کو اپنی شخصیت میں محکم اور جابرانہ صفات پیدا کرنے ہوں گے،

ڈاکٹر لونی فرماتے ہیں "انسان کو دوست بنانے کے لیے دوستدار ہی ہونا کافی نہیں ہے، وہ جو پرانی کہاوت ہے کہ اگر دوست بنانا چاہتے ہو تو پہلے دوست بنو" اس کہاوت میں صرف نصف حقیقت ہے یہ بات

خود میرے مشاہدے میں آئی ہے کہ اس قسم کی دوستداری کا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے'

"دوستداری سے میں بااخلاق، فیاض، مہربان، دوسروں کو خوش رکھنا وغیرہ مراد لیتا ہوں' اب ہمارے دور کے بچّوں اور نوجوانوں کے ساتھ مشکل یہ ہے کہ وہ طاقتور قسم کی شخصیتیں نہیں ہیں، دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہنا چاہیئے کہ کسی شخص کو ہر دلعزیز ہونے کے لیے ایک طبقے یا جماعت پر اپنا پورا اثر ڈالنا چاہیئے۔

میں نے مشاہدے کے ذریعے یہ معلوم کیا ہے کہ ایک شخص اپنے مختلف کارکردگیوں سے اپنی انجمن میں ایسے اضافے کر کے ایسی قبولیت حاصل کر لیتا ہے کہ جو دوست بنانے والے تمام خصوصیات سے زیادہ کارگر ہوتا ہے' اگر وہ شخص معاً کسی قدر گھٹیا بھی ہے امثلاً کبھی گندہ رہتا ہے یا رعب ڈالنے کی کوشش کرتا ہو) اور وہ مضبوط جابرانہ اوصاف کا مالک ہے جس سے اس جماعت میں کوئی قابلِ قدر اضافہ ہوتا ہے تو وہ شخص ہر دلعزیز قرار دیا جاتا ہے۔

"عام لوگوں کی باتیں چھوڑیئے" ڈاکٹر صاحب اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں "میں اپنے اسکول کے دو بچّوں کی مثالیں دے کر اس واقعہ کی تصویر کشی کرتا ہوں، پہلا بچّہ ڈونلڈ ہے جو اوسطاً کم ذہن ہے ڈونلڈ ممکن ہے اسکول میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکے، مگر میں شرطیہ

کہہ سکتا ہوں کہ اس کی ذات زندگی میں کامیاب رہے گی۔

ڈونلڈ اسکول کے بودوں میں شمار ہوتا ہے اور اسکی پڑھائی لکھائی میں اتنی ذہانت نہیں، اس کے باوجود وہ اپنی جماعت میں سب سے زیادہ شہرت اور ہر دلعزیزی کا مالک ہے، درست کہ وہ مسرور اور شادمان رہتا ہے، اس کا سلوک دوستدارانہ ہے لیکن یہ تو آدھا ہی قصہ ہُوا اور اس کا محض یہ وصف ہر دلعزیزی اور سماجی کامیابی کا محض پہلا نصف ہی قصہ ہے۔

دوسرا نصف قصہ یہ ہے کہ وہ ہر اس لمحے کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ جب وہ اپنی جماعت کے لیے کچھ کر سکے، وہ اسکول کے ڈراموں کے موقعوں پر اسٹیج پر پردے کھینچتا ہے پیغام رسانی کرتا ہے اسکول کی جماعت میں اگر کوئی بدمزگی پیدا ہوجاتی ہے تو اسے رفع کر دیتا ہے وہ کھیل کے میدانوں میں اپنی ٹیم کے ساتھ ایمانداری سے کھیلتا ہے اور وہ اپنی جماعت کے بعض عملی مسائل کو حل کرنے کے لیے مفید تجویزات پیش کرتا ہے۔

ان باتوں کے علاوہ ڈونلڈ اپنی تمام کوشش صرف کر کے بچوں کو ایمانداری کے ساتھ کھیلنے پر اکساتا ہے، کھیل اور تفریح کے پروگرام میں انھیں شور و غل سے باز رکھتا ہے اور انھیں اچھے اور نیک بچوں کی طرح رہنے کے مشورے دیتا ہے، اس کی شخصیت پیاری ہے، مگر اس

کا ایک مرتبہ بھی ہے۔ اور اس طرح جماعت کی فلاح و بہبود میں وہ اضافے کرتا ہے۔

اب اس کے برعکس میں آپ کو ایک نہایت ذہین بچی ہیلن کے متعلق کچھ بتاتا ہوں، ہیلن ایک ایسی بچی ہے جو عام بچیوں کے شمار میں نہیں آتی ——— وہ بڑی اونچی ذہنیت کی لڑکی ہے مگر اسے حد درجہ نیچی سماجی کامیابی حاصل ہے، ہیلن میرے اسکول کی سب سے غیر معروف بچیوں میں شمار ہوتی ہے۔

آخر اس قسم کے ذہین بچے جیسی یہ لڑکی ہے اور اس کے ساتھ نوجوان، سماجی شہرت حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہتے ہیں؟ ممکن ہے ان کے اوصاف سماج دشمن ہوتے ہوں مگر ہماری ہیلن تو قطعی سماج دشمن نہیں ہے، اس میں صرف سماجی قابلیت اور سماجی مقاصد کا فقدان ہے وہ اپنی جماعت کے لیے کوئی کام نہیں کرتی، اس کی تحریر بڑی رواں بڑی پاکیزہ اور بڑی ستھری ہے، مگر وہ مباحثوں میں بات چیت نہیں کر سکتی کھیل کے میدان میں وہ بالکل پدی ہے، وہ کسی کام میں پیش قدمی نہیں کرتی اس کے استاد اس کے متعلق کہتے ہیں " اسے اپنی جماعت سے کوئی دلچسپی نہیں" اور " لوگ اسے دھیان میں ہی نہیں لاتے"۔

آپ نے ملاحظہ فرما لیا، ڈونلڈ اپنی تعلیمی استعداد میں کم تر سہی مگر شاید جینے کا مقصد اس کے لیے کبھی مسئلہ نہیں بنے گا اور نہ ہی وہ اپنی

قوم کے لیے کوئی مسئلہ بنے گا، مگر ہیلین جو اس قدر ذہین ہے ایسی تابناک ہے اسے ابھی سماج، زندگی کا ایک مسئلہ بن کر نظر آ رہا ہے، کیا سماج کو جن بچوں سے زیادہ فائدہ پہنچے گا ان میں کیا ڈونلڈ ایک قیمتی سرمایہ ثابت نہ ہو گا وہ ایک زیادہ مسرور اور شادمان انسان نہ بنے گا۔

"ہمیں یہ خیال ایک قلم ترک کر دینا چاہیئے کہ سماجی طور پر کارآمد ہونے کے لیے یا ایک کامیاب شخص بننے کے لیے انسان کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف دوستداری یا ملنساری ہے، ہمارے اسکول میں ایسے بچے ہیں جنھیں سماجی طور پر بے انتہا بلندیاں حاصل ہوئیں، مگر انھیں دوستدار یا ملنسار نہیں کہہ سکتے، وہ جنگ کے قول کے مطابق کسی حد تک "داخلیت پسند" ہیں، انھیں جس قدر سماجی کامیابی ملی ہے یا جس قدر انھوں نے دوست پیدا کیئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جرآت، دلیری اور جاذبیت جیسی مثبت اوصاف کے مالک ہیں اور جماعت کے فلاح و بہبود میں پرخلوص دلچسپی رکھتے ہیں۔

اگر آپ اپنی جماعت میں دلچسپی نہیں لیں گے تو جماعت بھی آپ میں کوئی دلچسپی نہیں لے گی۔ خواہ آپ کتنے ہی ملنسار اور دوستدار کیوں نہ ہوں وہ لوگ آپکو رد کر دیں گے، کیونکہ آپ میں جاذبانہ اوصاف کا فقدان ہے، اگر آپ کا کوئی دشمن نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ سب لوگ آپ کے دوست ہیں آپ کو ایسے بہت سے دوستدار

قسم کے لوگ ملیں گے، جن کا نہ کوئی دشمن ہے اور نہ ہی کوئی دوست۔
بچوں اور غالباً والدین کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ دوست بنانے کا راز چند سادہ اصولوں یا کتب میں پوشیدہ نہیں بلکہ اس کے لیے بہت سی قابلیتیں اور مضبوط اور محکم شخصی اوصاف پیدا کرنے ہوں گے، کوئی شخص اس وقت تک دوست بنانے میں کامیاب نہیں ہو گا تاآنکہ وہ جماعت میں یہ احساس نہ پیدا کر دے کہ وہ جو کام کر رہا ہے وہ عام فلاح و بہبود کے لیے مخصوص ہے۔ میرے خیال میں یہ سبق والدین اساتذہ اور ہر اس انسان کے لیے بے حد اہمیت کی چیز ہے جن کے دل میں قوم اور ملک کی فلاح کا جذبہ موجود ہے۔

اگر آپ ہر دلعزیز ہونا چاہتے ہیں، دوست پیدا کرنا چاہتے ہیں خوش رہنا چاہتے ہیں، مطمئن، آسودہ خاطر اور اثر انگیز قسم کا انسان بننا چاہتے ہیں تو آپ کو کچھ کر کے دکھانا پڑے گا، کچھ بن کر دکھانا پڑیگا

●

۸

عشقیہ زندگی

ایک عورت یا مرد، ممکن ہے سماجی قبولیت بھی حاصل کرنے کے باوجود محبت کی پر سکون زندگی کی تشنگی محسوس کرتا ہے اس بنیادی آرزو میں سلگتا رہے، کہ کاش وہ بھی کسی کا ہو جاتا یا کوئی اس کا ہو رہتا اس خواہش کی جب تک بھرپور تسکین نہیں ہوتی، مرد ہو یا عورت، وہ لاحاصل زندگی کی آدھی راہ میں رہ جاتا ہے۔ سماجی مقبولیت ہی کی طرح محبت کی پُر سکون زندگی کے حصول کا بھی زیادہ تر محکم اور مثبت کوششوں پہ انحصار ہوتا ہے شادی بیاہ ٹھوس قسم کے معاملے ہیں۔

"تم مجھ سے شادی کرو گے" یہ ایک نہایت سیدھا اور برجستہ سوال ہے۔

"کروں گا" ایک ٹھوس جواب ہے اگر یہ جواب نفی میں ملتا ہے، تو شادی نہیں ہوتی۔

"کیا تم فلاں بنت فلاں کو (یا فلاں بن فلاں) کو قبول کرتے ہو"؟
نکاح پڑھاتے وقت ملاں یہ سیدھا اور برجستہ سوال پوچھتا ہے۔
"میں قبول کرتا ہوں" یہ ایک ٹھوس قسم کا اقرار ہے (اگر یہ نفی میں ہو تو شادی نہیں ہو گی)

اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ٹھوس سوال کا ٹھوس جواب ملنے کے باوجود مرد اور عورت دونوں منفیت کے ہاتھوں گمراہ ہو جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ ان کی ازدواجی زندگی ناکام کیوں ہے؟ اگر شادی کے موقع پر دونوں فریقوں میں سے ایک فریق، خواہ وقتی طور پر ہی سہی، اگر ٹھوس اور محکم نہ ہوتا تو آج تک ایک شادی بھی نہیں ہوتی۔

جان آلڈن کی اس سلسلے میں مثال لیجئے، جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ایک مثبت کا ایک منفی سے کس طرح ٹکراؤ ہوتا ہے، تو جان آلڈن صاحب جو تھے ان کی مدتوں سے ایک خوبصورت لڑکی پرسیلا مولین پر لگی ہوئی تھی، انھوں نے جب اسے سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے دیکھا کہ ہوائیں اس کے بلبوں سے اٹھکیلیاں کر رہی ہیں اور وہ کس طرح اُن کی چھیڑ خانیوں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی تو انھیں یہ ادا بھائی، وہ اس کے ریشم جیسے ملائم اور بل کھائے ہوئے بالوں، اس کی ہر آن چمکتی ہوئی آنکھوں، اس کے پورے سراپے پر بقول شخصے سو جان سے فریفتہ ہو گئے ان کے اندر وہی بنیادی آرزو جاگ اٹھی جس کے بارے میں ہم اس وقت

گفتگو کر رہے ہیں لیکن ان کا منفی طریقۂ کار انھیں فریب دیے رہا تھا بجائے اس کے کہ آلڈن صاحب ٹھوس فیصلہ کر کے وہ چیز بے دھڑک مانگ لیتے جس کی انھیں تمنا تھی، انھوں نے اس کے برعکس اس سلسلے میں اپنے ایک دوست کی رہنمائی حاصل کی جو فوج میں رہنے کے سبب موٹی عقل کے آدمی بن چکے تھے۔

لیکن ان کے برعکس پرسیلا اپنے پُرحیا انداز کے باوجود ایک ٹھوس قسم کی لڑکی تھی، وہ اپنے لیے ایک ایسا ساتھی کی تلاش کرنا چاہتی تھی جو اس کے قد سے لمبا ہو اور وہ ایسا ساتھی ہمارے منفی فکر کے نوجوان یعنی آلڈن صاحب تھے اس لڑکی نے اپنی قوتِ فیصلہ سے کام لیا اور وہ چیز طلب کرنے کی ٹھان لی جس کی اسے چاہ تھی چنانچہ اس نے شرمیلے آلڈن سے پوچھا "جان، تم جو چاہتے ہو وہ خود اپنی زبان سے کیوں نہیں کہتے" چنانچہ جان صاحب بھی کسی نہ کسی طرح مطلب زبان پر لانے میں کامیاب ہوئے اور اس حرفِ مطلب کو ان کی زبان پر آنے میں صرف آدھ منٹ صرف ہوئے۔

واقعی یہ بات اتنی ہی سہل اور سادہ ہے بھی اور چونکہ یہ بات سہل اور سادہ ہے اسی لیے بہت سے منفی جذبے کے لوگ بھی ہیں جنھیں مثبت جذبے کی لڑکیوں سے واسطہ جاتا ہے ہیں اپنی ساری عمر روتے رہتے ہیں یہی سادگی ایک نوجوان لڑکی کو ایک منفی لڑکے کے

ساتھ منسلک کرکے اس کی ساری زندگی کو ایک مستقل آزار بنا دیتا ہے
بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک منفی جذبے کی لڑکی اور مثبت جذبے کے لڑکے میں مڈبھیڑ ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا!

منفی سے منفی جذبے کی اس قسم کی مڈبھیڑ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حاصل تو کچھ نہیں ہوتا، دل میں ایک کسک اپنی مستقل جگہ بنا لیتی ہے اس قسم کا ایک واقعہ ڈاکٹر ڈانلڈ۔ اے لیرڈ نے اپنی تصنیف "لوگوں سے نباہ کرنے کا ڈھنگ" میں بیان کرتے ہیں "آج دنیا ڈاکٹر صاحب کو اُن ہستیوں میں شمار کرتی ہے جو انسانی تعلقات کے مسئلے میں اپنی زیرک رائے کے لیے مشہور ہیں وہ مانے ہوئے ماہر نفسیات اور مصنف ہیں لیکن ان سے بھی ایک ایسی غلطی سرزد ہو گئی جس کی تلافی نہ ہو سکی، یہ واقعہ خود ڈاکٹر صاحب کی زبان سے سنیئے:

"میں جس زمانے میں ہائی سکول کا طالب علم تھا ایک لڑکی کے ہاتھوں خوب خوب بے وقوف بنا، جہاں تک میں غور کرتا ہوں میری اس حماقت انگیز حماقتوں میں خود اس لڑکی کا عمداً کوئی ہاتھ نہ تھا معاذ اللہ، میں اب سوچتا ہوں کہ اُس نے مجھے بے وقوف نہیں بنایا ـــــــــ بلکہ میں اس کی مدد کے بغیر خود اپنے ہاتھوں بے وقوف بنا!!

ممکن ہے اس کی وجہ اس کی وہ ملاحیت سے بھرپور مسکراہٹیں ہوں، اس کا چنچل پن ہو، اس کے وہ گیسوئے خمدار ہوں جن میں سونا چمکتا تھا بہرحال کچھ بھی وجہ ہو، اس نے مجھے مکمل بے خود بنا دیا بظاہر اسے معلوم نہ ہو سکا، میں اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہوں تاہم میں اپنے لونڈے پن میں اس پر اپنا اثر ڈالنے کے لیے متحد ہو گیا سب سے پہلے میں نے اپنے لباس اور ظاہری سنگار پر زور دیا ایک روز دوپہر کو میں اپنے ایک ساتھی سے ایک خوبصورت ریشمی پتلون اُدھار مانگ لی، پتلون کمر پر تو فٹ ضرور تھی لیکن مجھے اس کی مُہری اُدھیر دینی پڑی تاکہ اس کی لمبائی ٹھیک ہو جائے۔

ایک اور دوست سے میں نے ایک خوبصورت زرد رنگ کی ٹائی مانگی، جو کہ خوب سجتی تھی، اس کے بعد میں تمام دوپہر اس کے مکان کے سامنے اپنے "جاذب نظر" قسم کے ملبوس سے لیس اس امید پر ٹہلتا رہا کہ وہ میری طرف دیکھے گی، لیکن دوسرے روز اسکول میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ اتوار کو تمام دن پاک نک پر ڈیس موائنز گئی ہوئی تھی۔

پھر میں نے اسے اپنا گرویدہ بنانے کے لیے ایک اور راہ پیدا کی، میں نے موسیقی سیکھنے کا تہیہ کر لیا، میں نے شکاگو کے ایک ساز بنانے والی کمپنی کو خط لکھا کہ وہ مجھے اپنا سب سے

سستا ساز بھیج دیں اور اس کی ترکیب استعمال بھی ساتھ بھیج دیں تاکہ میں اس کے اسباق گھر بیٹھے مکمل کر سکوں، وہ لڑکی میرے مکان کے سامنے دن میں دو بار گذرا کرتی تھی، اب میرا یہ کام تھا کہ بارش ہو یا آندھی، دھوپ ہو یا تاریکی، میں اپنا باجہ لیے اپنی کھڑکی پر موجود ہوں اور وہ گذری نہیں کہ میں نے اپنے دل کے تمام آرزوں کو راگ کی شکل میں ڈھال کر پورے زور و شور کے ساتھ اسے سنانا شروع کر دیا، ظاہر ہے کہ وہ اس بے وقت کی شہنائی سے دو ہی دن میں اکتا گئی۔

انھیں سردیوں کا ذکر ہے مجھے کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ہمارے ایک باسکٹ بال کے کھلاڑی میں دلچسپی لینے لگی ہے، بس پھر کیا تھا، میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کی بہار میں اس کھلاڑی سے میرا مقابلہ ہو جائے گا اور اسی طرح فلورنس میری گرویدہ بن جائے گی چنانچہ میں نے اپنی کثرت سگریٹ نوشی کو یک قلم ترک کر کے یک دم دوڑ لگانے کی مشق کرنا شروع کر دی، میں کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دوڑ لگاتا اپنی جماعت میں ادھر سے اُدھر دوڑ لگاتا، چرچ میں ادھر سے ادھر دوڑ لگاتا، غرضیکہ موقع اور بے موقع بس میں دوڑ لگانے پر ہی زیادہ وقت صرف کرنے لگا اب مجھے یہ اعتماد ہو چکا تھا کہ اگر کوئی لونڈیا دوڑ لگانے کے

کرتب سے مسحور ہوسکتی ہے تو میں سو فیصدی کامیاب ہو جاؤں گا اور ایک دن مجھے قسمت نے موقع بہم پہنچا ہی دیا جب میں اپنے فن سے اسے مسحور کرسکتا، بات یوں ہوئی کہ ایک روز دوپہر کو یا ٹوٹی کی کلاس باہر ہو رہی تھی۔

میں نے فوراً دوڑتے والے موزے چڑھائے اور میں اس کلاس کے گرد دوڑ پر دوڑ لگاتا رہا، آخر میں مجھے کلاس لینے والے جاہل انسٹرکٹر نے یہ کہہ کر رنگ میں بھنگ ڈال دی کہ وہ اگر تمہیں دوڑ لگانی ہے تو کہیں اور میدان میں جاکر لگاؤ"

اس واقعہ کے کوئی بیس سال بعد فلورنس سے میری نیارسکا میں ملاقات ہوئی اب مجھے یہ دیکھ کر دکھ سا ہوا کہ وہ شوخ چنچل لڑکی اب ایک اُدھیڑ عمر کی عورت ہو چکی تھی، لیکن ابھی تک اس کے مسکرانے کا انداز وہی تھا، وہ چنچل نہیں تھی مگر اس کے بالوں کا سونا ابھی تک چمک رہا تھا۔

ہم بڑی دیر تک اپنے ازدواجی زندگیوں کے متعلق گفتگو کرتے رہے ہم اسکول کے زمانے کی باتوں کے متعلق ہنستے رہے اسے یاد آیا کہ میں کس طرح ایک بار اس کی بوٹونی کے گرد دوڑ لگا رہا تھا اور یہ کہ اس نے اس انسٹرکٹر کو مجھے چھیڑنے پر سخت سست بھی کہا تھا، اس فقرے سے میرے ادھیڑ عمر کے اس کھردرے چہرے پر

ایک گلابی سی لہر دوڑ گئی جن پر اس زمانے میں سبزہ خط بھی نمودار نہ ہوا تھا۔

"دراصل اُس نے اس زمانے ہی میں میری چال ڈھال سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ میں اسے دل دے بیٹھا ہوں، لیکن اس کے باوجود میں نے اس زمانے میں جیسے اس پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کی، اس نے کبھی میرا نوٹس نہیں لیا تھا، اب یہ میری باری تھی کہ میں اس سے پوچھتا کہ تم نے کیوں نہیں نوٹس لیا اور اس دفعہ میری بجائے اس کے رخسار پہ گلابی لہر دوڑ گئی۔

"وہ بولی کہ تم بھی تو میرا نوٹس نہیں لیتے تھے" غور کیجئے میں نوٹس نہیں لیتا تھا، ارے میں نے تو اتنا نوٹس لیا کہ احمق معلوم ہونے لگا۔ ہاں، مجھ سے غلطی ہوئی کہ بجائے اس کا نوٹس لینے کے نوٹس دینے لگا، میں اس سے جب ہیلو کہتا تو اس طرح کہ جملہ اس کے سر سے گذر جاتا اور وہ پوری طرح جواب نہ دینے پاتی کہ میں آگے نکل چکا ہوتا، جب وہ میری طرف نظر اٹھا کر دیکھتی تو میں سراسیمہ ہو کر کسی اور طرف دیکھنے لگتا تھا، اور اس لیے اس نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ میں اس کا نوٹس ہی نہیں لیتا تھا۔

نوجوان لیئرڈ نے کسی حد تک ٹھوس اور محکم عمل کا ثبوت ضرور دیا لیکن اس کی منفی قوتیں اس کے مقابلے میں زیادہ تھیں اس لیے وہ ٹھوس

عمل باطل ہو گیا اور اس نے سیدھے سادے طریقے سے اپنی خواہش کو طلب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

ہم لوگ چونکہ مثبت اور منفی رجحانات کی زبردست قوتوں سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے، یہی وجہ ہے کہ ہم محبت کی پرسکون زندگی کی تلاش میں بے معنی طور پر بھٹکتے رہتے ہیں۔

منگنی، شادی بیاہ اور طلاق کے مطالعے اور تحقیق کے بعد یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ دماغ کا منفی انداز ایک ایسا خطرناک ڈائنامیٹ ہے جو محبت کی ساری خوشی کو تباہ کن طور پر اڑا کر رکھ دیتا ہے، محبوبوں، شادی شدہ لوگوں شادی کے صلاح کاروں اور طلاق کی عدالتوں کے وکیلوں کے ساتھ گفتگو اور تحقیق کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ ایسے مرد اور عورتیں جو جبلی طور پر محکم قوتوں کے مالک ہیں، یہی لوگ محبت اور اس کی پرسکون زندگی سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

دھر پکڑ والی شادیاں یا معاشقے ہی وہ روگ ہیں جن سے طلاق کی عدالتیں پڑی بڑی ہوتی ہیں۔

ایک لڑکی لاکھ حسن و جمال کا مجسمہ ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ اپنے منفی رجحان لیے ہوئے اپنے خیالات کے بلند بالا محل سرا میں بیٹھی یہ سوچتی رہے کہ ایک دن کوئی بگڑا دل شہزادہ آئے گا اور اسے لے کر اپنی ملکہ بنا لے گا تو اس لڑکی کا انجام بے حد خطرناک ہو گا۔ عین ممکن ہے کہ اس لڑکی کو

کبھی کوئی ساتھی میسر نہ ہو یا راہ چلتے ہوئے وہ کوئی ایسے نوجوان کو چن لے جو دوسری محکم دماغ لڑکیوں کا ٹھوکا ہوا مال ہو۔ اور اس کا یہ نوجوان ساتھی بھی یقینی طور پر ایک منفی دماغ کے تابع ہوگا جو اپنے اس غلط فیصلے پر بعد میں پچھتائے گا۔

محکم دماغ کی لڑکی وہاں تیتروں کا شکار کرتی ہے، جہاں واقعی تیتر ہوتے ہیں، وہ آنکھ بند کئے ہوئے میدانِ کارزار میں اپنی پسند کی چیز تلاش کرتی رہتی ہے اور جب اس کی تلاش پوری ہو جاتی ہے تو اسکی آنکھیں از خود کھل جاتی ہیں اور اس کے منفی دماغ میں میدان کارزار سے الگ تھلگ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے بیٹھی رہتی ہے کہ شکار خود اس کے دامن میں آکر گر جائے گا اور بالآخر اسے کسی مردار کوے پر گذارا کرنا پڑتا ہے۔

شکار خور قسم کے مردوں کے متعلق بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے لیکن عام طور پر دیکھا یہی گیا ہے کہ وہ ایک بے مقصد بھیڑ کی طرح ہر چند یہ جتانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ ایک لڑکی سے محبت کرتا ہے لیکن جہاں عہد و پیمان یا شادی کی پیش کش کا موقع آتا ہے اس کی زبان کاٹھ ہو جاتی ہے، آپ کی جو جاننے والی شادی شدہ عورتیں ہیں ان سے پوچھ کر دیکھئے کہ اُن کے شوہروں نے ان سے کس طرح شادی کی پیش کش کی تھی، وہ اس معاملے میں آپ کی کچھ زیادہ مدد نہ کر سکیں گی، کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ بیشتر موقعوں پر انھیں بُرے طریقے سے عمل پر کاربند ہونا پڑا تھا۔

ٹھوس اور محکم انسان وہ ہے جو اپنے جذباتی دھارے میں کود کر "مجھے محبت ہوگئی ہے" کا اعلان کرنے کی بجائے اپنے انتخاب اور پسند سے ہر طرح تسکین کرے۔ منفی الدماغ انسان اس معاملے میں کسی بات کی پروا نہیں کرتا اور وہ فوراً ایک چیز پر بے معنی طور پر دل دے بیٹھتا ہے لیکن اس شخص کا انجام بہت بھیانک ہے وہ جب آنکھ کھول کر دیکھے گا تو یا تو وہ خود کو طلاق کی عدالت میں موجود پائے گا یا زندگی بھر کے لیے عذاب میں مبتلا رہے گا۔

ہم موجودہ زمانے کے سائنس اور اس کے معجزات کے گن گاتے ہیں؛ ہم راکٹوں، طیاروں، موٹروں، ٹیلی ویژنوں اور اس قسم کی چیزوں کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں لیکن ہم کامیاب شادی کے لیے ٹھوس، پُر مقصد، اور سائنٹیفک طریقۂ کار کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ کسی دن یہ ایک ایسا قومی قانون مرتب ہو جائے جس سے لاکھوں شادی شدہ انسان ذہنی کرب سے آزاد ہو جائیں، لاکھوں معصوم بچے اپنے مستقبل سے جمع خاطر ہو جائیں جو منفی الدماغ بیوقوفیوں کے سبب وجود میں آئے لیکن اس کا آپ کب تک انتظار کرتے رہیں گے کہ یہ کام حکومت ہی کرے گی۔

تقریباً ہر شادی شدہ جوڑا اگر خلوص نیت کے ساتھ محکم قوتوں کو عمل میں لائے تو ازدواجی دیوالہ پن سے نجات پا سکتے ہیں اور نہایت کامیاب

شادی شدہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

اس کا ثبوت دوں ؟

لاس اینجلز میں ایک نہایت عالم اور متبحر سائنس کے ڈاکٹر پال پوپ نو رہتے تھے، کچھ سال پیشتر وہ "وراثت کے جریدے کے ایڈیٹر اور امریکن سوشل ہائجن ایسوسی ایشن کے ایگزیکٹو سکرٹری رہ چکے ہیں اور انھوں نے بڑے بڑے اعلیٰ عہدوں پر حکومتی فرائض انجام دیئے ہیں اب کئی سال سے وہ امریکہ کے خانگی تعلقات کی انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر ہیں، ہزارہا نوجوان مرد اور عورتیں ان کے انسٹی ٹیوٹ میں شادی کے سلسلے میں استفادہ حاصل کرنے جاتے ہیں اور ہزارہا اُدھیڑ عمر کے انسان بھی جن کی ازدواجی زندگی مستقل جہنم بن چکی تھی ان کے پاس اپنے درد کا مرہم تلاش کرنے کے سلسلے میں گئے ہیں۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ نوجوان جوڑے ڈاکٹر پال پوپ نو کے انسٹی ٹیوٹ میں کس طرح جا کر استفادہ حاصل کرتے ہیں، سب سے پہلے وہ ایک کمرۂ استقبالیہ میں جاتے ہیں، نوجوان لڑکی کو ایک خاتون صلاح کار کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور مرد کو فرد صلاح کار کے کمرے میں بھیج دیا جاتا ہے یہ دونوں نوجوان مرد یا لڑکی خواہ اپنے عہد و پیمان یا معاشقے میں کتنے ہی رنگ آمیزی سے کام کیوں نہ لیتے ہوں، صلاح کار علیحدگی میں ان سے ایسے سوالات کرتا ہے جس سے اُن کا صحیح اندرونی جذبہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

نوجوان لڑکی اپنی ذاتی اور خاندانی تاریخ بتاتی ہے، ان سے جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان پر جامع اور مدلل بحث ہوتی ہے، پھر اس لڑکی کو شخصی امتحانات سے گذرنا پڑتا ہے، جس سے اس کے ذہنی استحکام کا پتہ چلتا ہے اور دوسرے عناصر پر غور و خوض ہوتا ہے، جو اُن کی آئندہ کی شادی شدہ زندگی کے لیے موجبِ سکون و راحت ہو سکتے ہیں، اس کے بعد اُن کے جسمانی امتحان کے لیے ایک تاریخ معیّن کر دی جاتی ہے اور یہ پہلی کانفرنس ختم ہو جاتی ہے، یہی صورت مرد کے ساتھ بھی ہوتی ہے، ان تمام کاموں پر کوئی آدھ گھنٹہ صرف ہوتا ——————— تقریباً یہی عرصہ کسی بھی نقد خرید نے والی چیز مثلاً کتا، دھلائی کی مشین یا موٹر گاڑی کے انتخاب کرنے میں صرف ہوتا ہے۔

اس کے چند دنوں بعد پھر جسمانی امتحان کے متعلق غور و خوض کرنے کے لیے آتے ہیں اور اگر ان کے ذہن میں، درمیان میں اگر اور کوئی خیال آتا ہے، تو وہ اس پر سوچ بچار کرتے ہیں، پھر ان کے امتحانات کے نتائج پر بحث و تمحیص شروع ہوتی ہے، پھر انھیں جنسی انضباط کے متعلق کتابچے دیئے جاتے ہیں اور اگر اس سلسلے میں کوئی بات قابلِ دریافت ہو تو وہ صلاح کار سے اس باب میں مشورہ کرتے ہیں، اس کے علاوہ اس جوڑے کے آمدنی اور اخراجات کے متعلق غور کیا جاتا ہے، ڈاکٹر پال پوپ تو

کے تربیت یافتہ اسٹاف نوجوانوں کو ان کے ازدواجی مسائل اور اس کے انضباط کے سلسلے میں سائنٹیفک طور پر انھیں حقیقت کا سامنا کرنے کا اہل بنا دیتے ہیں، ان کی مساعیِ جمیلہ آج ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی زہر بھری زندگی کو امرت پلا رہی ہے۔ کیا آپ کو یہ ساری باتیں بور معلوم ہوتی ہیں، اس میں کوئی معجزے والی بات نہیں، یہی نا ؛

تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ واقعی اس میں کوئی ٹوٹکہ اور معجزہ نہیں ہے یہ محض شادی کی جانب ایک ٹھوس کوشش ہے۔

یہ امریکی ادارہ تعلقاتِ خانگی لاس اینجلز میں واقع ہے جہاں طلاق کی تعداد تقریباً پچاس فیصدی ہے لیکن مقامِ مسرت ہے کہ اس پچھلے آٹھ سال میں جب سے اس ادارے نے کام شروع کیا ہے، ان طلاق کی عدالتوں میں ایسے ایک جوڑے کا بھی مقدمہ پیش نہیں ہوا جن کا اس ادارے میں پہلے امتحان ہو چکا تھا۔

آٹھ سال کے عرصہ کے بعد اگر کوئی مقدمے پیش ہوئے تو صرف چند ——— جن کا شمار نفی کے برابر ہے، البتہ اس کی کامیابی کی تعداد روز افزوں بلند ہو رہی ہے۔

ازدواجی یا شادی کی زندگی کو ناکامیوں سے یکسر پاک کرنے کے لیے اس ادارے نے جو کام کئے ہیں بلاشبہ محکم دماغ لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا ہے جو اپنی زندگی کے بہترین سالوں کو جوئے میں نہیں ہارنا چاہتے

اور نہ ساری زندگی شادی کے پُرہول غاروں میں بسر کرنا چاہتے ہیں۔

تقریباً اس قسم کے اور بھی بہت سے ادارے سارے امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے دروازے سبھوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں اور اس قسم کے اد بہت سے ادارے قیام میں آرہے ہیں، ابھی پچھلے چند سالوں میں اس قسم کی سیکڑوں درسگاہیں کھلی ہیں، جہاں شخصیت اور شادی کے متعلق تربیتیں دی جاتی ہیں۔

اسٹیفورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر لوئس، ایم ٹرمین اور ان کے رفقاء نے ڈیڑھ ہزار شادی شدہ اشخاص کے متعلق چھان بین اور تحقیق کر کے اس علم میں مزید اضافے کیئے ہیں۔

ناکارہ قسم کے شوہروں اور بیویوں میں انہیں لوگوں کی اکثریت پائی گئی ہے جو منفی الذہن کے مارے ہوئے تھے، اس قسم کے نقصان دہ اوصاف ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں ان میں سے ہر کمزوری شادی شدہ زندگی کو ایک مستقل عذاب بنا سکتی ہے۔

کمزور بیویاں	کمزور خاوند
عیب جو اور نکتہ چینی میں طاق	خودغرض اور بے اعتنا
ملائمت اور ایثار سے خالی	کاروبار میں ناکام
خودغرض اور بے اعتنا	بے وفا
ہر لمحہ شاکی	شاکی

دوسروں کے مشاغل میں ٹانگ اڑاتی ہیں
جلنے سے پھوہڑ نظر آتی ہیں
زود رنج ہوتی ہیں
بچوں کی تربیت کے معاملے میں ٹانگ اڑاتی ہیں
خود رائی کا شکار ہوتی ہیں
غیر مخلص ہوتی ہیں
انکے زیورات ورلسے میں ٹھگیں کھاجاتے ہیں
شوہروں پہ نکتہ چینی کرتی ہیں
کج دماغ ہوتی ہیں
بچوں کی دیکھ بھال نہیں کرتی ہیں

پیار اور محبت نہیں جتاتے ہیں
کسی معاملے میں رائے نہیں لیتے ہیں
بچوں پہ ٹوٹ کر بولتے ہیں

زود رنج ہوتے ہیں
بچوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں رکھتے
گھر کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں رکھتے
ٹوٹ کر بولتے ہیں۔
ان میں مقصد کا فقدان ہوتا ہے
بے صبر اور جلد باز ہوتے ہیں۔
بیوی کو جھڑکتے رہتے ہیں۔

گھر کو پھوہڑ طریقہ سے رکھتے ہیں

ذیل میں چند ایسے امتحانات پیش کئے جاتے ہیں جو خاوند اور بیویوں کو اپنے ازدواجی زندگی میں اپنے مثبت اور منفی قوتوں پر غور کرنے کے سلسلے میں مدد ومعاون ثابت ہوں گے آپ اپنی پسند کے جواب لکھ کر خود کو شاباشی دینے کی کوشش نہ کریں، یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھئے کہ بعض دفعہ کوئی بھیانک غلطی کی جگہ چند معمولی سی خامیاں بھی ازدواجی زندگی کے لیے اسی قدر تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔

کیا آپ ایک مکمل رفیقۂ حیات ہیں

جی ہاں　　نہیں

۱: کیا آپ ہمیشہ اپنے عمل اور گفتار سے اپنے خاوند کی انا کو بلند تر کرتی رہتی ہیں اور ان کو یہ احساس دلاتی ہیں کہ آپ انھیں بہت ہی کامیاب ترین قسم کا آدمی تصوّر کرتی ہیں. جس سے آپ دوبارہ شادی کر کے بھی انتہائی مسرت محسوس نہ کریں گی؟ ......　　........

۲: آپکو اپنے ہاں کے ذرائع آمدنی سے کماحقہٗ واقفیت ہے تاکہ گھر کے اخراجات کو خوش اسلوبی سے چلانے کے بعد تھوڑا بہت پس انداز کر لیں. ......　　.......

۳: کیا آپ اپنے گھر کی عمدہ ساتھی ہیں؛ ہر وقت شاداں و فرحاں

رہتی ہیں، چھوٹی موٹی باتوں کو خود ہی قابو کر لیتی ہیں اور اس معاملے میں اپنے خاوند کے ذہن پر دباؤ تو نہیں ڈالتی ....

۴: آپ اپنے خاوند پر نکتہ چینی تو نہیں کرتی ہیں اور اگر کرتی بھی ہیں تو شاذ و نادر؟ ....

۵: آپ اپنے عزیز و اقارب کو اپنے گھر سے دور ہی رکھتی ہیں نا، انھیں اپنے گھریلو معاملات میں دخل انداز تو نہیں ہونے دیتی؟ اور کیا آپ اپنے خاوند کے عزیز و اقربائ کے ساتھ اخلاق اور مسرت برتتی ہیں؟ ....

۶: کیا آپ اپنے خاوند کو کلب اور دیگر محفلوں میں جانے کے لیے اکساتی ہیں، اور اگر وہ آپ کو تنہا چھوڑ کر نہیں بھی جاتے تو کیا آپ انھیں یہ جتاتی ہیں کہ وہ اپنے ہمجنس دوستوں کی محفلوں میں آزادی کے

ساتھ شرکت کر سکتے ہیں ؟

۷: کیا آپ نے کبھی یہ محسوس کیا ہے کہ بہت سے شوہروں کے لیے ان کا کام بہت عرق ریز اور بہت زیادہ پریشان کن ہوتا ہے، اس لیے آپ کیا ہر ممکن طور پر اپنے مکان کو اس قسم کی گھریلو مسرتوں کی جنت بنا سکتی ہیں تاکہ آپ کا شوہر اپنے کام سے نڈھال جب تھک ٹوٹ کر گھر واپس آئے تو وہ تازہ دم ہو جائے ؟

....

۸: کیا آپ گھر ہوں یا باہر ہر مقام پر خود کو اتنی دلکش اور خوشگوار بنا کر رکھتی ہیں کہ آپ کا شوہر آپ کو اپنی بیوی بتلا کر فخر محسوس کر سکے ؟

....

۹: کیا آپ اپنے شوہر کے کاروباری مصروفیات میں دلچسپی رکھتی ہیں ؟

....

۱۰: کیا آپ اپنے شوہر کے دوستوں اور ملاقاتیوں میں دلچسپی لیتی رہی ہیں

تاکہ آپ اپنے شوہر کے فرصت کے اوقات میں ایک بہترین ساتھی ثابت ہوں ؟ ....

۱۱ : کیا آپ قومی کاموں اور دیگر تعمیری کاموں میں حصہ لیتی ہیں جو آپ کو قومی زندگی میں ایک ممتاز درجہ دے سکے لیکن اس قسم کے کام میں آپ اپنے گھر بچوں یا شوہر کو تو نظر انداز نہیں کر دیتی ؟ ....

۱۲ : کیا آپ ہر ممکن طریق سے بے لوث انداز میں بحیثیت مجموعی اپنے گھرانے کی بہبود کے لیے کوشاں رہتی ہیں ؛ ....

۱۳ : کیا آپ ایک ماں کی حیثیت سے خود کو پوری طرح اہل محسوس کرتی ہیں ؛ ....

۱۴ : کیا آپ جبلی طور پر یا ماہرین سے استفادہ کر کے یا کتابی علم سے اپنے آپکو جنسی شریک کار بنانے کی پوری طرح اہل پاتی ہیں ؛ ....

۱۵: کیا آپکو یقین ہے کہ آپ اتنی اعلیٰ درجے کی میزبان ثابت ہو سکتی ہیں کہ اگر متوقع یا غیر متوقع طور پر آپ کے ہاں کوئی مہمان آجائے تو اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو؟ ....

۱۶: سگرٹوں کی راکھ یا کاغذ کے ٹکڑے بے پروائی سے اِدھر اُدھر پھینکنے کا عادی ہونے کے باوجود، کیا آپ کا شوہر گھر کے کسی کمرے کو کسی بھی وقت استعمال میں لا سکتا ہے؟

۱۷: آپ محنت مشقت کی عادی نہ ہونے کے باوجود، کیا آپ اپنے عمدہ اقسام کے کھانے سلیقے سے خود تیار کر سکتی ہیں؟ ....

۱۸: کیا آپ اپنے آپکو وہ بنگ قسم کی بیوی ہونے کی تو غلط فہمی نہیں، یہ آپ اپنے شوہر پر حکم تو نہیں چلاتی ہیں؟ ....

۱۹: کیا آپ اپنے گھر میں شوہر کی اس

وقت کسے پر تپاک پذیرائی کرتی ہیں
جب وہ اپنے خارجی ماحول سے
جلا بھنا، کف افگنتا مکان کے اندر
داخل ہوتا ہے ؛ اور کیا وہ پھر اس
گھر میں پہنچ کر اپنی کھوئی ہوئی مسرت
بانکپن اور شادابی حاصل کر سکتا ہے ؟ ....

۲۰ : کیا آپ شاذ و نادر حرف شکایت
زبان پر لاتی ہیں کبھی ڈانٹ ڈپٹ
نہیں کرتی ؟ ....

جو عورت مکمل طور پر بیوی ہونے کی اہلیت رکھتی ہو گی وہ ان تمام سوالوں کا اثبات میں جواب دے گی، جو عورت بارہ سوال تک اثبات میں جواب دے وہ غالباً اپنے شوہر کی راہ میں حائل ہے، عقلمند اور ہوشیار بیویاں اپنے ہر نفی جواب پر غور و خوض کریں گی اور ان کو اثبات میں تبدیل کرنے کے لیے عملی قدم اٹھائیں گی۔

کیا آپ مثالی قسم کے مکمل شوہر ہیں

جی ہاں نہیں

۱ : آپ اپنی بیوی پر بچوں یا دوسرے

کے سامنے نکتہ چینی تو نہیں کرتے یا اگر شاذ و نادر کرتے بھی ہیں تو تنہائی میں؟ ....

۲: کیا آپ اس کے مانگے بغیر ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ اسے اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرلے کے لیے دیتے ہیں جس کا اسے حساب نہ دینا پڑے؟ ....

۳: کیا آپ ہر روز اس کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور اسے محض لفظی ہی نہیں بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیتے رہیں؟ ....

۴: کیا آپ بچوں کی دیکھ بھال میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنا نصف حصہ صرف کرتے ہیں اور اس معاملے میں اپنی بیوی کا ہاتھ بٹاتے ہیں تاکہ آپ اور وہ دونوں ایک متحدہ محاذ پر کام کرتے ہوئے محسوس ہوں؟ ....

۵ : کیا آپ اپنی کے لواحقین کے ساتھ بھی اسی طرح اخلاق اور مُروت سے پیش آتے ہیں جس طرح آپ اپنے لواحقین سے پیش آتے ہیں اور کیا آپ اپنے لواحقین کو اپنے گھریلو معاملات میں بے جا طور پہ دخل انداز ہونے دیتے ہیں۔

....

۶ : کیا آپ سالگرہ اور دوسرے خاص تقریبات پہ اپنی بیوی کو پھول پیش کرتے ہیں ؟

۷ : کیا آپ اپنی بیوی کے خاص اشغال مثلاً کلب اور دیگر تفریحات یا مختلف جماعتی تحریکات سے دلچسپی رکھتے ہیں ؟

....

۸ : کیا آپ اپنی بیوی کو مختلف فرائض کی گٹھری نہیں سمجھتے کہ وہ آپ کے لیے کھانے پکائے، کپڑے دھوئے، اور بچوں کی نگہداشت کرے، بلکہ

اس کے برعکس آپ اس کے ان کاموں
کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہیں ؛ ....
9 : کیا آپکو اپنی بیوی کے چھوٹے موٹے
کاموں کا احساس ہے مثلاً گھر کو
ستھرا رکھنے اور عمدہ عمدہ کھانے
پکانے وغیرہ، آپ اسے ان
کاموں پر شاباشی دیتے ہیں ؛ ....
۱۰ : کیا آپ سماجی کاموں میں اس سے
مشورے کرتے ہیں ؛ ....
۱۱ : کیا آپ بحیثیت مہمان یا میزبان کے
دوسرے گھروں میں اپنی بیوی کا
خاص دھیان رکھتے ہیں کہ وہ خود کو
پیش پیش محسوس کر سکے ؛ ....
۱۲ : کیا آپ عورتوں کی نفسیات کا مکمل
شعور رکھتے ہیں تاکہ آپ اس کے
بدلتے ہوئے مزاج یا اس کی جذباتی
ضروریات کی کما حقہ تسکین کر سکیں ؛
۱۳ : کیا آپ اپنی بیوی کی اپنی انفرادیت

قائم رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں اور اسے محض خانہ داری کی زینت یا بچوں کی نگہداشت کی آیا تصور نہیں کرتے؟ ....

۱۴: کیا آپ گھر کے اخراجات کی مکمل کفالت کرنے کے باوجود آئندہ کے تحفظ کے لیے کچھ پس انداز بھی کرتے رہیں؟ ....

۱۵: کیا آپ ایک مکمل جنسی شریک کار ہیں؟ ....

۱۶: کیا آپ اپنے کاروباری معاملات کے متعلق اپنی بیوی سے مشورہ کرتے ہیں؟ ....

۱۷: کیا آپ اپنی بیوی یا بچوں کے ساتھ گھر یا گھر سے باہر رہ کر سکون محسوس کرتے ہیں؟ ....

۱۸: کیا آپ اپنی آرائش و زیبائش میں سلیقے اور نفاست کو برقرار رکھتے

ہیں تاکہ وہ "اپنے آدمی" کی شکل و
شباہت یا اس کی موجودگی پہ
فخر کر سکے ؟ ....

۱۹: کیا آپ اپنے اخلاق و آداب
سے یک گونہ نفاست کا اظہار
کرتے ہیں ؟ ....

۲۰: کیا آپ شادماں و فرحاں رہتے ہیں
اور آپ کی محبت لائقِ رشک ہے ....

ہر مکمل اور منضبط قسم کا شوہر ان تمام سوالات کا جواب بھرپور ہاں میں دے گا، جو شوہر ان سوالات میں سے صرف بارہ سوالات کے جواب "ہاں" میں دیتا ہے، وہ کسی طرح گھٹ گھٹ کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے اسے اپنے نفی کے جوابات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیئے اور اسے تمام "نہیں" کو "ہاں" میں تبدیل کرنے کے لیے عملی قدم اٹھانا چاہیئے۔

شادی شدہ لوگ جو اپنے خانگی تعلقات میں کسی قسم کی دقت محسوس کرتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ پہلے اپنی خامیوں پر نظر کریں اپنے شریک کار کی خامیوں پر بعد میں الغرض ان منفی قسم کے رجحانات کی تلاش کرنی چاہیئے، جو دونوں کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوں گے، وہ مرد اور عورتیں جو اس تجویز پر سنجیدگی سے فوری طور پر عمل پیرا ہونا چاہتے

ہیں انھیں چاہیئے کہ اپنے شریک کے سامنے یہ امتحانی سوالات پیش کریں اور ان سے پوچھیں کہ وہ کس حد تک اس امتحان میں کامیاب ہیں، کیونکہ ہم اکثر و بیشتر اس قسم کے امتحانات میں اپنی خامیوں کا بھرپور اندازہ نہیں کر پاتے اور لغزش کا احتمال رہتا ہے۔

طلاق کے وکیل اور شادی کے صلاح کار شادی کے مسائل سے تنگ آچکے ہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ مرد یا عورت یا دونوں کے منفی رجحانات ہیں، یہ صلاح کار وکیل یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں کہ بہت سے مردوں اور عورتوں نے تو آج تک یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ دراصل ان کے اصلی مسائل ہیں کیا؟ ایسے شادی شدہ لوگ جو اپنی کشتی ازدواج کو طوفان کی ٹکر سے بچانا چاہتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے فیملی ڈاکٹر اور شادی کے تجربہ کار صلاح کاروں سے مشورہ کرتے ہیں۔

●

۹

احساسِ توقیر

آپ سماجی قبولیت حاصل کرنے کے بعد بھی ممکن ہے کہ اپنی زندگی میں خلا، محسوس کرتے رہیں، آپ ممکن ہے محبت کی پُرسکون زندگی پر فتح یاب ہو جائیں اور پھر بھی آپ کی پالیسی فرو نہ ہو، کیونکہ ان شدید خواہشات کے ساتھ ساتھ اپنی انا کی تسکین کے بھی آرزومند ہیں، آپ اسے مانیں یا نہ مانیں لیکن آپ میں "کچھ بننے" کی خواہش آپ کے اندر موج مار رہی ہے، آپ اگر ابراہم لنکن کی اُس تقریر کو یاد کریں جو انھوں نے سیگامن کنٹری کے ووٹ دہندگان کے سامنے کی تھی، تو آپ محسوس کریں گے کہ وہ بھی اس خواہش سے پوری طرح باخبر تھے، انھوں نے تقریر میں کہا تھا، "مجھے اس سے زیادہ اور کوئی خواہش نہیں کہ مجھے میرے لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھیں!"

انسان کی اس تیسری شدید خواہش کو ابراہم لنکن کے بعد ایک اور شخص نے بھی پوری طرح محسوس کیا تھا وہ سر فرانسس بیکن تھے، جنھوں نے کہا ہے

" جو انسان اپنی ذات کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے یہ رومان تا زندگی جاری رہتا ہے،، اگر یہ واقعہ ہے تو ہمیں پوری طرح احساس ہونا چاہیئے "کچھ بننے کی خواہش، احساس کمتری کے ہاتھوں مار کھا سکتی ہے" اس نے ہمیں اپنے اندر خود پسندی کے شعور کو قائم کرنے کے لیے محکم اور ٹھوس عمل سے کام لینا ہوگا۔

نپولین اپنی ذاتی قدر کے احساس کو تقویت پہنچانے کے لیے اپنی فوج کو استعمال کرتا تھا ایمیل لڈوگ اس کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب نپولین سینٹ ہیلینا کے جزیرے میں نظر بند تھا تو اس کے آخری جملوں میں سے یہ بھی تھا کہ "مجھے یہ جاننے کی بے حد خواہش ہے کہ ریبر بیور کو یہ معلوم ہو سکا یا نہیں کہ میں نے ایک اچھا کام کیا" اس وقت نپولین اپنے بستر مرگ پر پڑا ہوا بھی اپنے ریاضی کے اُستاد ریبر بیور کے متعلق سوچ رہا تھا کہ وہ اس کی عالمگیر شہرت سے متاثر ہوا یا نہیں، یہ نپولین کی خود پسندی کا احساس تھا، برن ملٹری اکادمی کا یہ ریاضی دان ریبر بیور نوجوان نپولین کی قابلیت کو تحقیر کے ساتھ دیکھتا تھا اور نپولین نے اپنی انا کی تحقیر کے احساس کو اس وقت بھی فراموش نہیں کیا۔

خود پسندی اور توقیر کی خواہش محض بڑے لوگوں کی ہی میراث نہیں ہے، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ وہ اس کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ ٹھوس اجتہاد سے کام لیتے ہیں، توقیر اور عزت کی آرزو ہم سبھوں میں کبھی ایک

زندگی تابندگی

دبی ہوئی چنگاری کی طرح اور کبھی شعلے کی لپک کے ساتھ ہمہ دم موجود رہتی ہے، یہ لگن ہر کسی میں ہوتی ہے، خواہ وہ زندگی میں اعلیٰ سے اعلیٰ یا ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبے کا ہی کیوں نہ ہو، بچہ بھی اپنے بڑے سے مکان کے بارے میں زعم رکھتا ہے یا یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کے باپ کی کار دوسرے بچے کے باپ کی کار سے زیادہ بڑی ہے۔ اس سے وہ اپنے جذبۂ توقیر کو تسکین پہنچاتا ہے، اس کا باپ بھی اپنے جذبۂ توقیر کو بڑھانے کے لیے اپنی حیثیت سے زیادہ بڑی کار لے کر پھر سکتا ہے اور اپنی لائسنس کی پلیٹ پر مختصر سے مختصر نمبر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے خواہ اس کے لیے بیسیوں جگہ اسے دھکے کیوں نہ کھانے پڑیں، اس کی بیوی بھی چھوٹی موٹی باتوں میں اپنے پڑوسیوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کر سکتی ہے۔

شرمیلے اور حد سے زیادہ منکسر المزاج لوگ بھی اپنے خود پسندی کو تسکین دینے کے لیے برتر محسوس کرتے ہیں وہ ایسے کام کے لیے خود کو بھی کبھی جھکنے نہیں دیتے جو دوسرے لوگ محض "برتر" محسوس کرنے کے لیے کرتے ہیں، لیکن اس سمت چھوٹے یا بڑے جو اقدام ہوں گے، اس سے قوم یا ملک کو "کچھ بننے" کا موقع حاصل ہوگا اور "کچھ بننے" کی یہ خواہش اس وقت تک بے فائدہ ہے، جب تک فیصلہ اور قوتِ عمل سے کام نہ لیا جائے۔

وہ لوگ جو عاجزی اور انکساری سے زندگی گذارنے کی کوشش

کرتے ہیں۔ بیشتر اوقات اپنے اس منفی رجحان عمل کے ہاتھوں مار کھا جاتے ہیں اور زندگی کی دوڑ میں پوری رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے اس قسم کی ایک نہایت عمدہ مثال مشہور ادیب اور صلاح کار اورین آرنلڈ صاحب پیش کرتے ہیں جس سے مندرجہ بالا بیان کی پوری طرح وضاحت ہو جاتی ہے

"ایک روز دوپہر کے وقت میں اپنے ایک دوست کے ہاں پہنچا اسی وقت ان کی پندرہ سالہ لڑکی جوڈی اسکول سے واپس آئی اور اس نے آتے ہی اعلان کیا کہ وہ اپنے اسکول کے انتخاب میں کامیاب ہو گئی ہے"

"مگر یہ ہُوا کیسے" جوڈی کے ابا نے دریافت کیا

"مَیں نے اسے کہا، جوڈی نے ایک متحیرانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میرے علاوہ اس انتخاب میں سات اور امیدوار تھے اور ابا جان —— جب ان ساتوں نے تقریر کی تو پانی کے بُلبلے کی طرح اُبھر کر ڈوب گئے، انھوں نے عاجزی اور انکساری کی حد ہی کر دی"۔

جوڈی کامیابی کے ساتھ اپنی زندگی کی راہوں پر رواں تھی اور زندگی کے ساتھ اس کا نباہ نہایت عمدگی سے ہو گا، مَیں نے سوچا کہ اس کام سے ممکن ہے اس کا ایک آدھ سبق چھوٹ جائے اور ایسا ہی ہُوا، میں اسی شب اسکول کی پرنسپل کے پاس گیا اور مجھے وہاں معلوم ہُوا کہ جوڈی کو جو ووٹ ملے وہ ان ساتوں مخالف امیدواروں کے تمام ووٹ سے زیادہ تھے۔

ان ساتوں امیدواروں نے بہت زیادہ انکساری اور عاجزی سے کام

لیا، خواہ وہ عاجزی نقلی ہو یا اصلی، پرنسپل نے مجھے بتایا، جوڈی کی قابلیت ان لڑکوں یا لڑکیوں سے کسی قدر زیادہ نہیں، لیکن اس میں ایک خوبی ہے وہ ہے گرمیٔ عمل! اور اسی وجہ سے وہ کسی کم نفسی اور غیر جانب داری کی شکار نہیں ہوئی۔ اسے اس عہدے کی خواہش تھی اور یہی اس نے کہا۔ اس کی گفتگو میں اشتیاق تھا لیکن اس کے ساتھ سلیقہ بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اپنی جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے کیا کچھ کر سکتی ہے، المختصر وہ اپنے اُن عاجز فکر المزاج قسم کے حریفوں کے اُوپر چھا گئی، جو اپنی انکساری کے باعث کچھ بھی نہ کر سکے اور انھوں نے جب اس حقیقت کو محسوس کیا تو اس وقت جوڈی اس دوڑ میں آگے نکل چکی تھی۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا، یہاں آٹھ نوجوان انائیں مل کر اپنی خود پسندی کے لئے کوشاں تھیں، ان آٹھ میں سے ایک انا، ٹھوس اور محکم قوت کے ساتھ آگے بڑھی سات اناؤں کو کھا گئی۔

جوڈی، وہ ٹھوس اور محکم قوت کی لڑکی تھی جسے یہ معلوم تھا کہ اسے کس چیز کی طلب ہے۔ چنانچہ اس نے ٹھوس اقدام کے ساتھ اور ٹھوس عمل کے ساتھ اسے طلب کیا وہ اپنے آٹھ ساتھیوں کی جماعت میں ایک تھی، علم انسانیت کے ماہر ارنسٹ۔ اے ہوٹن کا تخمینہ ہے کہ چار آدمیوں میں ایک آدمی خود احساس ہوتا ہے، اپنی ذات میں گم رہتا ہے وہ ایک آدمی اگر پانچ آدمیوں میں ایک ہو تو وہ خائف رہتا ہے اور معطل ہو جاتا ہے وہی ایک اگر

چاہیں ہو تو فطری طور پر سماجی اہلیت کا مالک ہوگا اور خود اعتمادی سے بھرپور ہوگا۔

احساسات کی اس قربت کے باعث مختلف مشاہدات ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لیکن اس سے اتنی بات ضرور واضح ہوگئی کہ لڑکا یا لڑکی، مرد ہو یا عورت جس کسی نے بھی زندگی کے ٹھوس انداز کو اپنا لیا، وہی اس کے قیمتی انعامات کا حقدار ہوگا۔

پروفیسر ہیری ڈبلیو ہنپر نے اپنے سالہا سال کے تحقیق و مطالعہ کے بعد یہ بتایا کہ پانچسو کالج کے طلباء پانچسو طالبات کے تجزیے سے یہ پتہ چلا کہ ان میں پانچ میں سے ایک اپنے احساس کمتری میں مبتلا تھا۔

ڈاکٹر اسمائلی بلینٹن نے مختلف کالجوں کے طلباء کے ایک کثیر التعداد کے تجزیے کے بعد یہ بتایا کہ ان میں سے تین چوتھائی طلباء نا اہلیت اور احساس کمتری کے شکار تھے۔

منے سوٹا یونیورسٹی کے اینی۔ ان۔ فنانسن اور ہیلن رتھ ہیرٹز کے تیار کئے ہوئے سوالناموں کو جب ۲۳۴۲ طلباء کے سامنے پیش کیا گیا تو ان میں سے صرف دس فیصدی طلباء کے جوابات ایسے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی شخصیتیں اتنی متوازن ہیں کہ آئندہ کامیابی میں کسی قسم کی رکاوٹ کا امکان نہیں تھا ان میں سے ۹۰٪ طلباء نے اپنی شخصیت سے بے اطمینانی کا ذکر کیا، انھیں احساس کمتری لاحق تھا۔

یہ احساسِ کمتری، ہماری شخصیتوں کو کس طرح تباہ کر دیتا ہے! ذیل میں اُن کے چند وجوہات پیش کئے جاتے ہیں جو مس فلاسن اور مس ہرٹز نے اپنی کتاب "ذہنی حفظانِ صحت" میں تحریر کیا ہے۔

کیا آپ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ کمسن ہیں؟ اگر ایسا ہے تو بہت ممکن ہے کہ آپ کمتری محسوس کریں "بڑی عمر" کے بچے نسبتاً احساس کمتری کے کم مریض ہوتے ہیں۔

کیا آپ اپنے کسی بڑے شہر سے تعلق رکھتے ہیں؟ بڑے شہر کے طلباء چھوٹے موٹے شہروں کے طلباء کی نسبت زیادہ احساس کمتری کے شکار ہوتے ہیں ..... اکی آبادی کے شہر والے طلباء کا جب امتحان لیا گیا تو ان میں احساسِ کمتری کا مادہ ان سے کم تر تھا جو بڑی بڑی آبادیوں کے شہر والے طلباء تھے۔

آپ کے والد کا کیا پیشہ ہے؟ اقتصادی اور سماجی اعتبار سے جتنا کم ہو گا، احساسِ کمتری کی اتنی ہی زیادہ گنجائش ہو گی۔

گرچہ مندرجہ بالا تحقیق تمامتر طلباء کی مدد سے مکمل کی گئی ہے تاہم اس ہمارے مجموعی سماجی پسِ منظر کو بڑا دخل ہے، سائنس دانوں اور ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ ہم ننگے اور کسی قسم کے احساس سے عاری اس دنیا میں آتے ہیں تو پھر ہم ایسے کیوں ہو جاتے ہیں، ہم میں اس قسم کا احساس عام طور پر کم سنی کے

عالم میں ہمارے والدین اور خاندان کے دوسرے افراد ٹھونس دیتے ہیں اور بعض دفعہ ہم اپنی زندگی کے تجربوں سے یہ احساس اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ یہ ہمارے مبلغین کی وساطت سے ہم میں حلول ہو جاتا ہے۔

اساتذہ، اور مبلغین سے یہ اثرات ہمارے اندر جس طرح داخل ہوتے ہیں اس کا بیان نیویارک کے ریور سائڈ چرچ کے ادارے کی ماہر نفسیات مسز ماریہ برک کی تحریروں میں ملتا ہے، انھوں نے ایک دفعہ شخصیت کے امتحان کا ایک منصوبہ تیار کیا اور اسے دو مذہبی خانقاہ کے متعلمین پر آزمایا۔ مسز ماریہ برک، ہمیں بتلاتی ہیں کہ تقریباً تمام ایسے طلباء کو سماجی تعلقات میں دشواریاں نظر آتی ہیں" ان کے نظام تعلیم سے" ان کی جذباتی زندگی میں توازن کی صورت پیدا نہیں ہو سکی" ان میں نااہلیت اور دوسروں سے خوف کا جذبہ پیدا ہو جائے" جب یہ شخصی امتحانات استادوں اور مبلغوں پر آزمائے گئے تو ان کے ساتھ بھی بجنسہ یہی حالات نظر آئے، کیمیاگروں دوا فروشوں انجینیروں نے بھی یہی شخصیت کے امتحانات دیئے لیکن ان میں وہ احساس برتری کی خواہش نہیں تھی جو گرجوں کے مبلغین اور استادوں میں عام نظر آئی۔

ان باتوں سے کوئی لازمی نتیجہ اخذ کرنا مناسب نہیں ہوگا، کیوں کہ بہت سے قوموں اور جماعتوں کے مبلغین، خطیب اور اساتذہ بے حد متوازن بالغ النظر اور ذہین ہوتے ہیں، لیکن ان جماعتوں کے روش بدوش بعض ایسے بھی

جماعتیں اور قومیں موجود ہیں، جن کے مبلغین اور استاد، انتہائی جذباتی ناکامی سے دوچار ہیں، جو اپنی محدود وراثت میں ناکامیوں کا مجموعہ ہیں، اور وہ ان احساسات کو اپنی ذات کی بڑائی کے پردے میں چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ جن کا بھی واسطہ پڑے گا وہ ان کے اثرات قبول کریں گے۔

والدین اور خاندان کے دوسرے افراد اپنی نئی نسل کو منفی ڈانٹ پھٹکار اور دل شکن قسم کے برتاؤ سے ان کے احساس کو کمزور بنا دیتے ہیں بچوں کو وہ ہمیشہ یہ کرو، یہ نہ کرو، کا سبق دیتے رہتے ہیں، ان کی جا و بے جا نکتہ چینیاں ان کی نازک انا کو مڑوڑتی رہتی ہیں، لیکن اگر ان کو شاباشی دیجئے، اگر ان کی ہمت بندھائیے اور اس قسم کے مثبت طریقہ کار سے ان کی نگہداشت کیجئے تو وہ اس ناقابل تلافی نقصان سے بچ جائیں گے اور ان کی زندگی کی بنیاد، مضبوط قوت فکر پر کھڑی ہو جائے گی۔

مَیں نے چھ سال سے دس سال تک کی عمر کے بچوں کا ایک امتحان کرایا، اور ان سے وعدہ کیا کہ ان کے جوابات صیغۂ راز میں رکھے جائیں گے سوال یہ تھا، ایسی کون کون سی چیزیں ہیں جنھیں تم سمجھتے ہو کہ اگر تمھارے ابا نہ کرتے تو بہتر تھا" ان کے بچوں کے جوابات نے، والدین کی وعدہ خلافی، یاوہ گوئی، ڈانٹ پھٹکار اور دیگر اوصاف کو عریاں کر کے رکھ دیا، جس نے اس سوال کا جواب لکھتے ہوئے کہا تھا کہ ابا ہمیں

کہتے ہیں کہ "تمھارے منھ میں زبان نہیں ہے" وہ بچہ جذباتی طور پر اپاہج ہو رہا ہے اور اس کی ماں اور دیگر افراد کا یہ فرض ہے کہ وہ باپ کو اس جارحانہ اور ظالمانہ طریق سے باز رکھیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ اس بچے کا اس بچے کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے، جس نے سوال کا جواب لکھتے ہوئے کہا تھا" میرے ابا جو کچھ بھی کرتے ہیں انھیں پسند کرتا ہوں وہ مجھے عقل مند لڑکا کہتے ہیں۔

کولمبیا یونی ورسٹی کے سابق لکچرار ڈاکٹر ایرا، ایس وائل نے ایک ایسے خاندان کا ذکر کیا ہے جس کا ہر فرد ایک ننھے بچے کلیرنس کو منفی احساسات میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ گھر کے افراد کلیرنس کو لے کر اس وقت ڈاکٹر وائل کے پاس پہنچے، جب انھیں پوری طرح یقین ہو چکا کہ لڑکا ہاتھ سے جا رہا ہے، لڑکے کے چار بڑے بھائی اور چھوٹی بہنیں جنھوں نے اسے پیار کرنے کی بجائے اسے اپنی ملامت اور طعن کا ہدف بنایا، کیونکہ وہ لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا اور یہ بے چارا لڑکا واقعی ان لوگوں کی باتیں سچ بھی سمجھنے لگا تھا۔

یہ واقعہ خود ڈاکٹر وائل ہی کی زبان سے سنئے جب انھوں نے کلیرنس کو پہلی دفعہ دیکھا تو اس کے احساسات کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، وہ سر جھکائے، آنکھیں نیچی کئے ہوئے تمام لوگوں سے بے خبر، اپنے آپ میں مگن، ساکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر اس نئے ماحول کا کوئی ذرہ بھر تاثر نہیں تھا۔

"کلیرنس کی موجودگی میں اس کی ماں مجھے بتانے لگی کہ یہ نہایت احمق ہے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں شریک نہیں ہوتا، گھر پر بھی لوگوں سے شاذ و نادر باتیں کرتا ہے، اس کے بعد اس نے کلیرنس کو میرے قریب آنے کو کہا، لیکن کلیرنس ڈٹا ہوا اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور وہاں سے ہلا تک نہیں بہرحال میں نے اس سے کہا کہ آپ اسے مجبور نہ کریں وہ خود اپنی مرضی سے میرے پاس آئے گا، اس پر کلیرنس بڑے مشتبہ اور بڑے شرمیلے انداز میں میری طرف بڑھا اور آخر میں نے سہارا دے کر اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔

جب اس کے ساتھ کئی شریفانہ طریقے آزمائے گئے تو اس نے اقرار کیا کہ وہ کتوں کو پسند کرتا ہے اور تب میں نے اسے کتوں پر ایک کتاب دینے کا وعدہ کیا، اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیئے دوستانہ شبہے کی چمک پیدا ہوئی لیکن فوراً ختم ہو گئی، لیکن یہ چمک پھر دوبارہ اس وقت اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی جب میں نے اس کی موجودگی میں اس کی ماں سے کہا کہ کلیرنس نہایت اچھا بچہ ہے اور دو ہی ہفتے کے اندر وہ نہایت عمدہ قسم کا باتونی ہو گیا، کھیل کود میں دلچسپی لینے لگا اور ہنسی خوشی رہنے لگا"

تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ کلیرنس اپنے بہن بھائیوں کے مقابلے میں اعلیٰ ذہانت کا مالک تھا جسے اس کے بھائی بہن غبی اور احمق کہا کرتے تھے۔ بچہ ہر طرح سے ٹھیک تھا، لیکن خاندان والوں کو ضرورت تھی کہ وہ کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جائیں دو ہی ہفتے میں کلیرنس ایک نارمل بچہ

بن گیا، اور ہنسی خوشی رہنے لگا۔

مشہور ماہر نفسیات ڈونلڈ، اے لیرڈ کا کہنا ہے کہ اسکول کے استادوں اور اسکول کے کاموں کے سلسلے میں ایک بہتر اور مشفقانہ برتاؤ کی ضرورت ہوتی ہے ان پر سخت گیری کر کے احساس کمتری کا مریض بنانے کی نہیں، وہ مندرجہ ذیل اس قسم کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

پال ایک سولہ سالہ لڑکا، مناسب ذہانت کا مالک تھا لیکن سکول کے کاموں کے سلسلے میں وہ بہت زیادہ کمزور واقع ہوا تھا اسے امتحان میں کامیابی نہیں ہوتی تھی اور اس لیے وہ ہمیشہ دکھی رہا کرتا تھا پال کی پرورش کا بار ایک نہایت امیر گھرانے نے اٹھا رکھا تھا جو اسے ہر قسم کی مادی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے اور لڑکے کے دل سے گرویدہ تھے، وہ اسی بات پر مصر تھے کہ پال ہائی سکول میں کلاسیکی نصاب کا مطالعہ کیا کرے اور خود پال کی یہ خواہش تھی کہ وہ کاروبار یا دکانداری کا کام کرے یا سیکھے، لیکن اپنی مرضی کے خلاف اور دوسروں کی مرضی کے مطابق جب تک وہ پڑھتا رہا، پڑھائی میں کمزور رہا اور اندر اندر اس میں احساس کمتری نے جگہ بنانا شروع کر دی۔

ماہر نفسیات نے پال کے احساس کمتری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا کیونکہ انھوں نے اس کے عاقبت نا اندیش والدین کو مشورہ دیا کہ وہ اسے کلاسیکی نصاب پڑھانے کی بجائے اسے کاروباری علوم سکھائیں، چنانچہ یہی ہوا

اور پال نے اپنے دل پسند مضامین کا مطالعہ شروع کر دیا، جس کی جانب اس کا طبعی رجحان تھا اور وہ ان مضامین میں بہت جلد ترقی کر گیا، اور اس طرح اس کا احساسِ کمتری دُور ہو گیا۔ اور اس کی جگہ ایک بھرپور احساسِ برتری نے لے لی، جو اپنے شعبے میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے از خود پیدا ہو جاتا ہے۔

احساسِ کمتری ان ہی طریقوں سے پیدا ہوتا ہے، ہم جب یہ احساس اپنے اندر پیدا کر کے فوراً ہی بعد اس کا علاج شروع کر دیں تو یہ دور ہو سکتا ہے، لیکن جب یہ احساس ہمارے اندر پوری طرح سرایت کر جاتا ہے اور ہمارے رگ و پے میں بس جاتا ہے تو اس کے منبع کا پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس منبع کا سراغ لگانا ممکن ہوتا ہے وہ سالہا سال کی گرد کے اندر چھپ جاتی ہے لیکن اگر ایک دفعہ احساسِ کمتری کی وجہ دریافت ہو جائے تو اس کا علاج نسبتاً آسان ہوتا ہے اور اس کو دور کرنے کی کوشش بار آور ثابت ہو سکتی ہے۔

ہمارے دور کے مشہور ترین ماہر نفسیات ڈاکٹر ہنری سی لنک کا فرمودہ ہے ”تمام صالح قسم کی برتری، احساسِ کمتری کے شعور سے پیدا ہوتی ہے جو شخص اپنی احساسِ کمتری کا اعتراف کرتا ہے اور اس کے متعلق کچھ کرتا ہے وہ اپنے اندر احساسِ برتری پیدا کر لیتا ہے۔

ایک لمحے کے لیے توقف کیجئے اور اپنے سامنے ان نامی گرامی قسم کی

ہستیوں کو جلوس کی صورت میں گزرتا ہوا دیکھئے، جو اپنی زندگی کے بعض اوقات احساس کمتری اور خوف وجھجک کے باعث اپاہج سے ہو گئے تھے، تو اس جلوس کو دیکھئے، ہمیں ان میں ہیلن ہیس، کیتھرین کارنل، تلالابینک ہیڈ کارنیلیہ اوٹس اسکنر، یمنڈمیسی، ال جالسن، فریڈ ایلن اور تھیٹر اور اسٹیج کے نامی گرامی قسم کی شخصیتیں نظر آ رہی ہیں، اس جلوس میں اکابرین سلطنت اور شاہی شخصیتیں بھی شامل ہیں، جلوس بہت لمبا ہے۔ یہ ختم ہونے میں نہیں آئے گا لیکن ان میں اس سفید بال اور ابرو والے صاحب، کو تو دیکھئے یقیناً یہ جارج برنارڈ شا ہیں جو اس دور کے غالباً عالمگیر شہرت کے حامل ہیں یہ اس جلوس میں کیسے آ گئے ہیں؟ ان کا یہاں کیا کام ہے؟ آیئے ہم ان ہی کی زبانی سنیں کہ ایک دفعہ وہ لنڈن میں دریائے ٹھیمز کے کنارے اپنے ایک دوست کے ہاں کیسے کیسے جتن کے ساتھ پہنچے۔

"میں جب اس دوست کے مکان پاس پہنچا تو تقریباً بیس منٹ تک میں سامنے ادھر اُدھر ٹہلتا رہا، لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہ ہوتی تھی کہ میں بڑھ کر دروازے پر دستک دوں، یہ لمحے میری روح کے لیے انتہائی صبر آزما لمحے تھے، ٹھیک ہے کہ میں اس خیال ہی کو دل سے نکال دیتا اور چپ چاپ گھر واپس لوٹ آتا اور اپنے دل میں سوچتا کہ جب میرے لئے لوٹ پڑنا آسان ہے تو کیا ضرورت کہ میں خود کو کشمکش میں مبتلا رکھوں، لیکن میں جبلی طور پر یہ جانتا تھا کہ اگر مجھے

اپنی زندگی میں کچھ کرنا مقصود ہے تو لوٹنا بے فائدہ ہوگا، میں نے اپنے شباب کے ایام میں بزدلی کے باعث جتنے نقصان اٹھائے ہیں وہ غالباً کم لوگوں نے ہی اٹھائے ہوں گے۔"

اوپر کے واقعہ سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ منفی انداز مثبت انداز سے باہم دست و گریباں رہتا ہے —— منفی قوت، میدان چھوڑ کر پیچھے لوٹ جانے کی ترغیب دیتی ہے، اور مثبت قوت، آگے بڑھنے اور جہاد کا درس دیتی ہے، برنارڈ شا بھی ایسے معاملات پر ایسی ہی کشاکش سے گذرے تھے۔ لیکن ان کی مثبت اور ٹھوس قوت بروئے کار آئی اور انہوں نے ڈیل کارنیگی کے قول کے مطابق جم کر محاسبہ کیا اور منفی قوت کو شکست دے دی انھوں نے مجمع عام سے خطاب کرنا سیکھا۔ انھوں نے مباحثوں کی محفلوں میں شریک ہونا شروع کر دیا۔

پہلے تو جب وہ ایک دو دفعہ مجمع عام میں بولنے کے لیے کھڑے ہوئے، ان کے گھٹنے کپکپا اٹھے۔ ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور ان کا گلا خشک ہو گیا تھا وہ اس وقت اتنے حواس باختہ ہو رہے تھے کہ ان کے ہاتھ میں جو تقریر کا نوٹ تھا وہ بری طرح لرز رہا تھا اور بغیر اس نوٹ کے انھیں کچھ یاد نہ پڑتا تھا کہ کہنا کیا ہے، ٹھوس اور محکم عمل نے انھیں اس کے لیے کھڑا کیا تھا لیکن وہ عرق ندامت سے تر بیٹھ گئے، لیکن وہی برنارڈ شا اپنی تمام بزدلی سراسیمگی پر بالآخر فاتح ثابت ہوئے اور انھوں

نے لنڈن کی تقریباً تمام قومی مباحثوں میں شریک ہونا شروع کر دیا اور بحثیں کرنی شروع کر دیں۔

جب برنارڈ شا کی عمر چھبیس ۲۶ سال ہونے کو آئی تو اس وقت ان کو اپنے ٹھوس رد یے کے فائدے نظر آنے شروع ہوئے، انھیں اس رویے نے اتنا اعتماد بخشا کہ وہ تمام دور کے ایک برگزیدہ مقرر کی حیثیت سے لافانی شہرت کے مالک بنے، ظاہر ہے کہ ایسے انسان میں بے پناہ خود پسندی کا جذبہ موجیں مار رہا ہوگا۔

آپ اس وقت تک صحیح قسم کی خود پسندی اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے، اگر آپ کے منفی رجحانات کے دیمک مثلاً بزدلی رشک، شبہ اور احساس کمتری آپکو اندر اندر سے چاٹ رہے ہوں ماہر نفسیات نے آپ کے لیے ایسے آزمودہ اور مجرب نسخے تجویز کئے ہیں جن کی مدد سے آپ ان داخلی دشمنوں کو شکست دے سکتے ہیں اور اسی وقت آپ اپنے جذبہ خود پسندی کو فروغ دے سکتے ہیں ان تمام نسخوں کو بیک وقت استعمال کرنا آپ کے لیے مناسب نہ ہوگا، آپ ان کے لیے ایسے راستے تلاش کیجئے جو آپ کے لیے ممکنہ حدود اختیار میں ہیں آپ ان دشمن عناصر کو شکست دینے کے لیے ایک باضابطہ منصوبہ متعین کیجئے اور ان پر آج ہی سے عمل کرنا شروع کر دیجئے۔

ا: آپ اپنے ایام طفولیت کی وحشت انگیز، شرمناک اور مایوس کن واقعات کو یاد کیجئے ممکن ہے وہ آپ کے موجودہ مصیبتوں کے ذمہ دار وہی عناصر ہوں، یہ ایسی چیز نہیں ہے، جسے آپ پانچ منٹ کے عرصے میں

نبٹا لیں گے، اس پر غور و خوض کے لیے ہر روز تھوڑا سا وقت دیجیے اور اپنی پرانی سے پرانی یادداشت کو ٹٹولئے، اس یادداشت کا کوئی منظر، کوئی تاثر یا کوئی واسطہ آپ کے ذہن میں یادوں کا سلسلہ باندھ دے گا، اگر آپ پسند کریں تو ایسی یادداشتوں کو اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیجیے تاکہ آپ کی ذاتی سوانح کے طور پر محفوظ رہے۔

۲: مباحثوں کی مجالس اور اس قسم کی جماعتوں سے میل پیدا کیجیے جہاں آپ کو بولنے کا موقع ملے، اگر اس قسم کی کوئی مجلس موجود نہیں تو اپنے دوستوں کو جماعت میں اس قسم کی مجلس کی بنا ڈالیے۔

۳: اپنی ذات اور مشغولیتوں کا بغور جائزہ لیجیے اور معلوم کیجیے کہ آپ کس قسم کے کام میں خود کو بہت زیادہ اہل محسوس کرتے ہیں، جب آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے تو اس خاص شعبے میں اور زیادہ محنت اور اشتیاق سے کام لے کر اسے اس حد تک آگے لیجائیے کہ آپ اس شعبے میں لاثانی کہے جا سکیں، دوسروں کے مقابلے میں اگر آپ کوئی کام زیادہ حسن و خوبی سے کریں گے تو ظاہر ہے کہ فطری طور پر آپ کے خود پسندی کے جذبے کی تسکین ہو گی۔

۴: اپنے ماحول کے اردگرد نظر ڈالیے اور دوسروں کے نقائص کو دیکھئے، آپکو یہ نقائص ان گنت طریقے پر نظر آئیں گے، اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ میں اتنے نقائص نہیں ہیں تو پھر آپ کے اندر جذبہ خود پسندی

کو اور فروغ حاصل ہوگا۔ پھر آپ اپنی خوبیوں کی جانب اور زیادہ توجہ دیجیے اور انھیں اور زیادہ کارگر بنانے کی کوشش کیجیے۔

۵۔ آپ اپنی قدروں کے شعور کو دوبارہ حقیقت کی روشنی میں دیکھیے عام طور پر ہم میں احساس کمتری اس وجہ سے بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے والدین ہم سے یہ توقعات لے بیٹھتے ہیں کہ ہم وزیر اعظم، فوجی جرنیل یا بہت بڑے آرٹسٹ بن جائیں گے۔ اور آیندہ ہمیں حالات اگر الٹ پلٹ دیتے ہیں تو ہم اپنے اس بنیادی خیال کو دل میں لیے رہ جاتے ہیں اور دائمی طور پر احساس کمتری کے مریض بن جاتے ہیں، ممکن ہے آپ نے بھی اپنے طور پر خود کو شاید اتنا بڑا محسوس کرنا شروع کر دیا ہو جو آپ یا اور کسی کے لیے ممکن نہ ہو۔

۶۔ اگر آپکو اپنے مسائل اتنے بڑے اور سنگین محسوس ہوتے ہیں جن کا کوئی حل آپ کی سمجھ میں نہیں آتا، تو آپ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر نظر جمائے رکھنے کی بجائے ان پہاڑوں کے دامن کی وادیوں پر نگاہ کیجیے، بڑے بڑے مسائل کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیجیے، جن کو آپ بہ آسانی حل کر سکنے پر قادر ہوں۔ اگر آپ کی تعلیم کمزور رہ گئی ہے تو دار المطالعہ اور شبانہ درسگاہوں کا فائدہ اٹھایئے، آپ کی یہ کمی پوری ہو جائے گی، اگر آپ کا حلقہ احباب کمزور ہے تو اپنے خوف و رعایت کو پس پشت ڈالیے اور نئے نئے لوگوں سے جان پہچان پیدا کیجیے اور حلقہ احباب کو وسیع کیجیے یہ آپ کے اپنے عمل کی بات ہے۔

۷ : کیا آپ نے خود کو ایک کمتر درجے کا انسان مان لیا ہے؟ آخر کیوں مان لیا ہے ؟ کیا آپ کے دوست احباب یا واقف کار سارے تمام غلطیوں سے مُبرا ہیں ؟ کیا انھیں ان کی غلطیاں پچھاڑ رہی ہیں ایک بات ہمیشہ یاد رکھیئے کہ کمتر ہونے اور کمتر محسوس کرنے میں بہت بڑا فرق ہے ، عیب ہر ایک میں ہوتا ہے مگر وہ اسے ہی ہر وقت نہیں سوچتا پھر آپ کیوں تھوڑی پر ہاتھ رکھے سوچتے رہیں ؟ آپ میں چند عیب ہیں نا ؛ تو کیا ہوا ، ہم سبھوں میں ہیں۔

•

۱۰

دوسروں کے خوف کو دل سے نکال دیجیے

جو فرد ایک پُراثر شخصیت کا مالک بننا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے خوف اور دبدبے کو دامن سے جھاڑ کر پھینک دے۔

تو کیا آپ ایک شکست خوردہ اور ناکام انسان ہیں؟ اگر آپ نے اس شکست اور ناکامی سے کوئی علم اور ہمدردی حاصل کی ہے تو یہ نیک شگون ہے اور یہ آپ کی شخصیت کو معراج پر پہنچا سکتی ہے، یہ چیز آپ کو عظیم لوگوں میں لا کر کھڑا کر سکتی ہے، کیونکہ دنیا میں آج تک کوئی انسان اس وقت تک عظیم نہیں بنا، جس کو لغزش نہ ہوئی ہو اور ایک نہیں بارہا دفعہ گرا بھی ہو۔ بہر حال زندگی کے ہر شعبے میں وہی لوگ بڑی عظمتوں کے مالک ہوئے ہیں جو گر کر بھی ہمت نہیں ہارے، جو زندگی کے طمانچے، مُردہ کھوپڑوں کو دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوئے جو کبھی کسی کے رعب یا دبدبے میں نہیں آئے۔ اور ان کی زندگی اس شان سے گزری کہ ان کی ہمت کو کوئی پسپا نہ کر سکا

علاوہ ازیں منفی قسم کے نکتہ چین آپ کے دل کے اُوپر سوائے ایک خراش کے اور کوئی نشان نہیں چھوڑتے۔

وہ کون تھے ؟ —— جو سر والٹر اسکاٹ کو اسکول کا ایک غبی طالب علم کہا کرتے تھے وہ کون استاد تھا جو ہنرک ابسن کو مضمون نگاری میں بودا سمجھ کر جھڑکا کرتا تھا؟ وہ ہنرک ابسن جو اس دور کا عظیم ترین ڈرامانویس مانا گیا ہے، کیا آپ اس استاد کا نام بتا سکتے ہیں جو ٹالسٹائی کو گھر پڑھانے آیا کرتا تھا اور وہ تینوں بھائیوں کی قابلیتوں کو اس طرح تقسیم کرتا تھا "سرجی کچھ کرنا چاہتا ہے وہ کر کے رہے گا، دمتری، کرنا چاہتا تو ہے لیکن کر نہیں سکتا، اور لیو نہ تو کچھ کرنا چاہتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے" آخری الفاظ اس شخص کے متعلق کہے گئے ہیں جس نے دنیا میں سب سے عظیم ناول "امن اور جنگ" تخلیق کیا۔

اگر تاریخ کے منفی نکتہ چینوں کو کوئی یاد رکھے گا تو محض اس وجہ سے کہ وہ کسی بہت بڑی اور ٹھوس شخصیت کی زندگی میں اپنی نکتہ چینی کے کسی گھٹیا فعل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ انھیں لوگ صرف اس لیے یاد رکھتے ہیں کہ اُنھوں نے ان شخصیتوں کو کبھی نہ کسی طرح چھوا تھا اور شاید ان کی منفی لمس ہی کے سبب ان شخصیتوں کے ٹھوس عمل میں اور زیادہ شدت پیدا ہوئی تھی

تو کیا آپ شکست خوردہ ہیں ؟ آپ نے چائے کو طشتری میں انڈیل کر

پی لیا اور اسے کسی نے دیکھ لیا ہے نا ؟ آپ کا چہرہ شرم سے گلابی ہو گیا ذرا مارک ٹوین کے اس جملے کو یاد کیجیے، جس کے سبب اسے دنیا کا بہت بڑا ادیب سمجھا جاتا ہے، آپکو یاد آیا، اس نے کیا کہا تھا ؟ جی' اس نے کہا تھا کہ "انسان ہی ایسا جانور ہے جو شرم سے گلابی ہو سکتا ہے"۔ یا نہیں ہوتا تو اسے ہونے کی ضرورت ہے ! اس قسم کے چند اور شرم سے گلابی چہرے دیکھیے اور تسکین قلب حاصل کیجیے۔

مارجری ولسن، جنھوں نے مجلسی ادب اور تہذیب کے متعلق کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور نیویارک کی چند باسلیقہ اور متوازن عورت تصور کی جاتی ہیں وہ بھی اعتراف کرتی ہیں کہ وہ موقع بے موقع اپنی تمام مروجہ اصول کے خلاف بعض دفعہ ایسی حرکت کر جاتی ہیں جو حد درجہ قابلِ ملامت اور شرم ہوتی ہے، ذیل ہی کی مثال لیجیے۔

ایک دفعہ وہ اپنے معمر دوست کے ہاں کھانے پر مدعو تھیں۔ کھانے کے دوران میں ان کے میزبان نے ان سے ذکر کیا کہ وہ جلد ہی اپنی والدہ سے ملنے کے لیے ورجینیا تشریف لے جا رہی ہیں۔ بس ولسن فرماتی ہیں، میں اپنے تمام مجلسی اداب بھول گئی اور میں نے خود کو کہتے ہوئے سنا کیا فرمایا؟ آپ کی والدہ ابھی تک زندہ ہیں ؟

ایک لمحے کے لیے ان کا میزبان حواس باختہ سا ہو گیا، لیکن اپنی خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا :-

"جی ہاں! ہے نا تعجب کی بات، کہ جب میں خود اللہ تعالیٰ سے عُمر میں تھوڑا سا چھوٹا ہوں، میری والدہ ہنوز بقید حیات ہیں!" وہ صاحب ہنسے "آؤ مارجری، ہم بڑی عمر کے لوگوں کا جام صحت نوش کریں تمھارا اپنا ہر کسی کا!"

اس قسم کی شہادتیں محض چند کھانوں کی دعوتوں تک ہی محدود نہیں ہیں ڈاکٹر جان۔ ڈی، کریگ گرجے میں اپنے ممبر کے اُوپر خطاب کرنے کے لیے چڑھ رہے تھے، کہ اتنے میں ایک شخص کی بیوی ان کے پاس آئی، کاغذ کا ایک رقعہ اعلان کرنے کے لیے انھیں پیش کیا، اعلان میں لکھا تھا۔ "ٹموتی ورتھ اپنے سمندر کے سفر پر تشریف لے گئے ہیں، اُن کی بیگم تمام حاضرین گرجا سے استدعا کرتی ہے کہ وہ ان کے حق میں دُعا کریں کہ وہ ساتھ خیریت کے واپس لوٹ آئیں"۔ ڈاکٹر کریگ نے ایک نظر رقعے کو دیکھا اور انھوں نے پھر منہ اُوپر اٹھا کر بڑی سنجیدگی سے اعلان کیا، ٹموتی ورتھ اپنی بیگم کے پاس تشریف لے گئے ہیں، حاضرین گرجا سے استدعا ہے کہ وہ ان کے حق میں دُعا کریں کہ وہ ساتھ خیریت کے واپس لوٹ آئیں۔

ڈاکٹر کریگ جب اپنی غلطی کے احساس سے گلابی ہوئے تو اس وقت تو ان کے سامنے ایک محدود مجمع تھا، لیکن بعض وقعہ یہ گلابی ہونے والی بات، سینکڑوں اور ہزاروں کیا لاکھوں کے مجمع کے سامنے بھی ہو جاتا ہے۔ امریکی ریڈیو کے مشہور ترین اناؤنسر لوب ابنس جو لاکھوں آدمیوں سے ریڈیو

پر خطاب کرتے ہیں، انھوں نے ایک مرتبہ صاف حرفوں میں ٹائپ کئے ہوئے ایک اشتہار کو یوں گڈمڈ کرکے پڑھ دیا" خواتین! اگر آپ دن بھر کے کام سے نڈھال ہو جاتی ہیں تو فلاں ساخت کی کریم شیو کرنے کے بعد ——— ارے (معاف کیجئے گا) نہانے کے بعد استعمال کیجئے، تازگی اور فرحت حاصل ہوگی ——— اسی طرح ایک اور خاتون اناؤنسر نے ایک تقریر سے پہلے یہ اعلان کیا "اب آپ فلاں صاحب سے خالد بن والد پر ایک تقریر سنیں گے۔

امریکہ کے صدر فرینکلن ڈی روزولٹ، ایک خاتون کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو انتخاب سے کچھ دنوں پہلے وائٹ ہاؤس میں ایک عشائیہ پر مدعو تھیں، صدر خود ساقی گری کے فرائض انجام دے رہے تھے، وہ خاتون صدر کے ہاتھ سے خود پیالہ لینے کے لیے آگے بڑھیں، جب صدر نے ان کی طرف پیالہ بڑھایا تو وہ خوش طبعی سے مسکرائے، اس عورت کے اوسان خطا ہو گئے، اس کا ہاتھ لرز اٹھا اور شراب صدر کے قیمتی میز کے اوپر چھلک کر گر پڑی۔

میں بے حد نادم ہوں ——— خاتون نے معذرت پیش کی۔ میں اس قدر مرعوب ہو گئی تھی کہ ——— "

اس پر صدر اعظم نے کہنہ ساقی گروں کی طرح مسکرا کر کہا" مجھے خواہش ہے کہ اس قسم کا رعب میرے کسی ایسے جمہوری پر پڑتا جسے میں جانتا ہوتا"

اُن خاتون کا خوف فوراً دور ہو گیا، کیونکہ انھوں نے محسوس کیا کہ آخر صدر بھی تو ان کی ہی طرح ایک گوشت کا انسان ہے۔

یہ تو ایک عام رجحان ہے کہ ہم بعض لوگوں کو ان کی وردیوں اور ان کے اختیارات کے آئینے میں دیکھتے ہیں اور ان سے رعب کھا جاتے ہیں، ہم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان وردیوں اور اختیارات سے آزاد جب وہ شخصیتیں گھر پہنچ کر یہ لبادے اتار دیتی ہیں اور گھریلو زندگی گذارتے ہیں تو ان کے اطوار، عادات، ان کے خصائل ہماری اور آپ کی طرح ہوتے ہیں، ہماری طرح ہی وہ روٹھتے ہیں، مَنتے ہیں ہنستے ہیں، روتے ہیں۔ جھگڑتے ہیں۔ آپ اخبار کے رپورٹر کو لے لیجئے وہ کسی سے خوف نہیں کھاتا،

مَیں خود نوجوانی کے دِنوں میں ایک اخبار کا رپورٹر ہوا کرتا تھا، اُس زمانے میں میرے اُوپر ایک بہت بڑے بنک کے کارپرواز سے انٹرویو کی ذمہ داری عائد کی گئی، اس بنک کے کارپرواز کا مجھ پر بڑا رعب و دبدبہ تھا، اس کی شخصیت بڑی پُر اثر تھی، اور اس کے بڑے بڑے سفید بال جو اس کی گردن تک لٹکتے تھے، میرے لیے اس کا تمام حلیہ بے حد پُرجلال تھا مَیں اپنے فرائض میں جکڑا ہُوا اس کے دفتر پہنچا، مجھے اندر جانے کے لیے کم و بیش پندرہ منٹ تک اپنے حواس مجتمع کرنے پڑے، خیر جب میں اندر داخل ہُوا تو اس نے بڑی بلند پیشانی سے میری پذیرائی کی

جسے میں نے دل ہی دل میں سراہا، پھر اس کے بعد اس نے مجھے ایک قصہ سنایا، جو مجھے پسند نہیں آیا، اور پھر اس کے تھوڑی ہی دیر بعد مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ بھی ان ہی شہرت کے بھوکے لوگوں میں شامل ہیں جو اپنی شہرت کے لیے جال بچھایا کرتے ہیں.

اخبار کا رپورٹر چند سال جب کام کر لیتا ہے تو وہ بڑے بڑے ناموروں کو اچھی طرح دیکھ لیتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہیں، اور اس لیے اس کے دل سے خوف، رعب یا دبدبے قسم کی ہر چیز ختم ہو جاتی ہے اور پھر کیوں نہ ہو وہ بیک وقت ایک کارپوریشن کے میئر کو آنسو بہاتے ہوئے اور دوسرے کو بلند و بانگ دعوے کرتے ہوئے دیکھتا ہے، وہ ایک ولیم جیننگس برائن کو اوپر تلے لقمے ٹھونستے اور بے تکے سے ڈکار لیتے ہوئے دیکھتا ہے وہ بڑے بڑے اراکین کانگریس کو دانت کھودتے ہوئے دیکھتا ہے وہ ہالی وڈ کے نامی گرامی قسم کے ایکٹروں کو بدمستی کی حالت میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے دیکھتا ہے وہ ایک پولیس کے افسرِ اعلیٰ کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنے آوارہ لڑکے کے قصے کو گول مول کر رہا ہے، ایک وزیر اخبار میں اپنی پسند کی سرخی کے لیے ہاتھ جوڑ رہا ہے ایک شہر کی رئیس ترین خاتون کو اپنی تصویر چھپوانے اور جھوٹی خبریں شائع کرنے کے لیے گڑگڑا رہی ہے وہ مردہ گھروں میں برف کے صندوقوں میں بند لاشوں کو دیکھتا ہے اور ان ہی جیسی اور ان سے بھی

بلکہ زیادہ سرد لاشوں کو دیکھتا ہے جو سیاست اور کاروبار کے بھیس میں عوام کو اپنی دھواں دار تقریروں سے ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں انھیں اکثر کامیابی بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

اگر آئندہ آپ کسی کی شخصیت کے رعب میں آجائیں تو بین الاقوامی شہرت کے مالک والٹر کیرمان کا واقعہ ذہن میں تازہ کیجئے، ایک زمانے میں والٹر کیرمان کو امریکہ کے صدر ولیم ہاورڈ ٹافٹ کے ساتھ ملاقات کرنے کا کام سپرد ہوا، کیرمان کے اوسان خطا ہو گئے اس کا مدیر اعلیٰ اس بات کو جان گیا۔

مدیر اعلیٰ نے کیرمان کو بلا کر کہا "میں تمھیں بتاتا ہوں کیا کرنا چاہیئے۔ تم نے کبھی اپنے ابا کو سرخ نیکر پہنے ہوئے دیکھا ہے"؟ کیرمان کے والد تو نہیں البتہ سرمئی نیکر ضرور پہنتے تھے بہر حال کیرمان نے اثبات میں سر ہلایا،" وہ نیکر پہن کر کوئی بہت پر اثر آدمی تو نہیں معلوم ہوتے تھے۔"

اور یہ واقعہ بھی تھا۔

تو پھر میں تمھیں بتا دوں کہ" مدیر اعلیٰ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولے، تمھارے ابا اور ولیم ٹافٹ اگر سرخ نیکر پہن لیں تو ایک ہی جیسے معلوم ہوں گے بلکہ شاید تمھارے ابا کسی قدر زیادہ اچھے معلوم ہوں اب تم یہ بات یاد رکھو کہ جب تم ٹافٹ سے ملو، تو یہ بات ذہن نشین رکھو کہ ایک نہایت اعلیٰ قسم کے سوٹ اور باعزت اور مرتبے کے لبادے کے اندر

ٹافٹ محض ایک انسان ہے، ذہنی طور پر اسے تم سرخ نیکر پہنے ہوئے دیکھتے رہنا، اور انشاءاللہ تم دونوں بے تکلفی سے باتیں کر سکو گے"

چنانچہ کیرمان ولیم ٹافٹ سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے "جیسا کہ مجھے خیال تھا، اس وقت میرے پاؤں کپکپا رہے تھے اور حلق خشک ہو رہا تھا" کیرمان اس واقعہ کو یاد کرتے ہیں کہ "ناگاہ ولیم ٹافٹ کے قیمتی کپڑے میرے ذہن نے اتار پھینک دیئے اور اب وہ میرے سامنے ایک سرخ نیکر پہنے ہوئے کھڑے تھے، اس تصور سے میرے ذہن میں جو نقشہ بنا اسے دیکھ کر میں مسکرا پڑا، ٹافٹ بھی میرے مسکرانے پر مسکرا پڑے، حالانکہ انھیں معلوم نہیں تھا کہ میں کس بات پر مسکرایا ہوں ———— اور اس ملاقات کی بڑی شہرت ہوئی۔

جب دنیا کے سر برآوردہ قسم کی شخصیتوں کے جلوس، کیرمان کی آنکھوں کے سامنے سُرخ نیکر میں ملبوس گذرنے لگے تو اس کے بعد اس کے دل میں کسی کی جانب سے خوف یا دہشت کا دھڑکا نہ رہا۔

خوف یا دہشت کا احساس آپ خود اپنے ذہن میں پیدا کر لیتے ہیں اور دوسروں کو بعض ایسے صفات زبردستی تھوپ دیتے ہیں جو حقیقتاً ان میں نہیں ہوتے اور آپ بھول جاتے ہیں کہ ہم سب لوگ گوشت پوست کے ہی بنے ہوئے ہیں، دوسرے میں بھی عیوب ہوتے ہیں اور اسے ناکامیاں بھی ہوئی ہوں، اور عجب نہیں کہ اس کے طاقچے میں بھی انسان کی مردہ کھوپڑی

اسے دہشت زدہ کر رہی ہو۔

ہالی وڈ میں ایڈورڈ ایوارٹ ہارٹن سے زیادہ روپیہ کمانے والے اور شہرت یافتہ لوگ موجود ہیں، لیکن وہ اس سے محض اس لیے خوف کھاتے ہیں کہ وہ تھیٹر میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھاتا ہے اور وہ خود فلم سے چپکے ہوئے ہیں، یہی حال بعض اسٹیج کے ایکٹروں کا ہے وہ ہالی وڈ کے فلم ایکٹروں سے اس لیے رعب کھاتے ہیں کیونکہ فلم کے قواعد ان کے لیے اجنبی ہیں۔

آپ ممکن ہے کسی پیشہ ور آدمی کا نام سنیں اور اس کے کاروباری اور سماجی رسوخ کے باعث، اس کا نام سنتے ہی رعب میں آجائیں، لیکن اس شخص کو اگر بعض حرکات قبیحہ کرتے دیکھ لیں جو وہ اپنے معمول سے کرتا بھی ہے تو آپ کا یہ خوف ایک لمحے میں دور ہو جائے گا، اور اگر اسی شخص کی بیگم جس کے متعلق آپ خدا جانے سوسائٹی میں اسے کتنے بڑے رتبے، کا مالک سمجھتے ہیں، اگر اسے نشے اور خستگی کی حالت میں اپنے شوہر کے ایک دولت مند دوست کے ساتھ بازو میں بازو ڈالے، لڑکھڑاتے اور گرتے ہوئے دیکھ لیں تو کیا آپ میں اس کے سوسائٹی کے تمام اثر و رسوخ کا کوئی جادو چل سکے گا؟

ممکن ہے آپ ایک شخص کی برتری کو ذہنی طور پر بنک کے اکاؤنٹ کی برتری میں دیکھتے ہوں، آپ ان کے متعلق سوسائٹی کی نمائشی خبروں میں

کچھ پڑھ پڑھ کر انھیں جانے کیا کچھ سمجھنے لگتے ہیں، لیکن اگر ان لوگوں کو آپ قریب سے دیکھیں گے جو سماج کے معمار کہلاتے ہیں، جو قوم کی رہبری کرتے ہیں قومی صنعت کے ناخدا ہیں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ وہ اندر سے کچھ بھی نہیں ہیں، ان کی باتیں لغو ہیں ان کے نظریے مہمل ہیں وہ کسی موضوع پر گفتگو نہیں کر سکتے وہ اپنے تنہائی کے لمحوں میں ایسے مصنفین کی کتابیں پڑھتے ہیں جن سے آپ کو نفرت ہو گی تو پھر کوئی کسی سے کیوں رعب کھائے، جب سارے ہی انسان گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں اور پھر کوئی کس لیے خوف کھائے کہ لوگ کیا سوچیں گے" اور کیا کہیں گے"

دوسروں کی جانب سے رعب یا جلال کے احساس کی ذمہ واری بڑی حد تک آپ کے اس خدشے پر ہے "لوگ کیا کہیں گے" لوگ کیا سوچیں گے" ٹھیک ہے لوگ چہ میگوئیاں کریں گے، بعض آپ کی برائی کریں گے لیکن یہ بھی یاد رکھیئے کہ سو میں ننانوے فیصدی لوگ اپنے متعلق گفتگو کرنے میں اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ انھیں اس کی پرواہی نہیں ہوتی کہ آپ کیا ہیں آپ نے کیا کیا ہے اور کیا کرنے میں ناکام ہوئے ہیں۔

لوگوں کے کہنے اور سننے کا خدشہ بہت ممکن ہے آپ کے والدین یا استاد کے لعنت ملامت کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہو، جو اپنے خیال میں آپ کے اوپر تہذیب کا غازہ مل رہے تھے آپ اس قسم کی نکتہ چینیوں کے لیے بہت حساس تھے، اور اس لیے آپ نے اپنے اندر خوف پیدا کر لیا جو آج

تک آپ کے اندر موجود ہے، لیکن اگر آپ کو خیال ہے کہ لوگ آپ کے متعلق چہ میگوئیوں میں اپنا خاصا وقت صرف کرتے ہیں تو یہ نہ بھولئے کہ آپ کی انا ان چہ میگوئیوں کو اور مبالغہ آمیز حد تک بڑھا چڑھا دیتی ہے اور آپ کا اپنا احساسِ گناہ آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ لوگ آپ کے متعلق ہمیشہ بری بری باتیں کیا کرتے ہیں، حالانکہ عین ممکن ہے کہ لوگ آپکی ستائش ہی کی باتیں کرتے ہوں۔

اس قسم کے احساسات جو دوسرے سے خوف دلاتے ہیں بعض اوقات ناکامی کے گہرے احساس سے پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ کس نے کہہ دیا کہ ہم یا آپ غلطیوں سے مبرا ہیں آپ کس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ اس نے غلطی نہیں کی؟ جنرل موٹر کارپوریشن کے مالک اور ایجادات و تحقیق کے صدر سی ایف کیٹرنگ کہتے ہیں کہ "عام طور پر تمام تحقیقات ننانوے ۹۹ فیصدی ناکام ہوتی ہیں اور ایک فی صدی کامیاب ہوتی ہیں لیکن یہ ایک فی صدی وہ ہے جو اس قسم کے تمام نقصانات کو رفع کر کے سوچند منافع دیتی ہے۔

۱۹۰۶ء میں جب ایڈیسن سے وائرلیس ٹیلیفون کے امکان کے متعلق دریافت کیا گیا تھا، تو انھوں نے بڑی بے مہری سے جواب دیا تھا" اس قسم کی چیز کا وجود نہیں ہے" اس واقعہ کے بیس سال بعد جب ایڈیسن کی سالگرہ کے موقع پر ایک اور سوال کیا گیا تو اس نے پھر ایک غلط جواب دیا کہ اس کے خیال میں" بولتی فلموں" کے متعلق تمام تجربات محض تضیع اوقات

ہے اور اسے ختم کر دینا چاہیئے۔

آپکو حق ہے کہ آپ غلطی کریں، آپ میں اگر ٹھوس اور محکم قوتِ فکر ہوگی تو آپ ان غلطیوں سے سبق سیکھیں گے اور فائدہ اٹھائیں گے ہزاروں ایسے کاروباری ہیں جو محض غلطیاں کرنے کے لیے ایک کثیر رقم الگ رکھ دیتے ہیں لیکن وہ ان کی غلطیوں میں سے ایک فائدہ بھی اٹھا لیتے ہیں اور یہ فائدہ تمام غلطیوں کی تلافی کرنے کے لیے ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ دولت کا ایک دروازہ کھول دیتا ہے مشہور فلسفی رالف والڈو ایمرسن جب کبھی وہ کسی تحقیقی سفر کے لیے خرچ کا میزان مرتب کرتے تو وہ اس میں ایک خاص مدر کھتے تھے۔ لٹانے اور برباد کرنے کے لیے" اس مد کا یہی نام تھا۔

اس دور کے بہت بڑے ذی اثر وزیر ڈاکٹر رائے اے برک ہارٹ اپنی زندگی میں "دو سبق کبھی نہیں بھولے، جو انھوں نے دو بڑے سنگین تجربات سے سیکھا تھا، ان کے یہ تجربات مشاورتی کونسل میں بھی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔

ان تجربات میں پہلا تجربہ یہ تھا کہ ایک فٹ بال کے کھیل میں عین موقع پر ان سے گیند چھوٹ گئی میں اس موقع پر "فل بیک" کی حیثیت سے کھیل رہا تھا، وہ یہ واقعہ یاد کرتے ہیں۔" میں گیند کو لے کر گول کے نشان کے پاس پہنچ چکا تھا اور آخری کک لگانے ہی والا تھا کہ گیند چھوٹ گئی، میری مخالف ٹیم کا آدمی اس گیند کو لے کر بڑھ گیا، میں اس واقعہ سے تقریباً تباہ ہو گیا، میں شرم اور ندامت میں غرق ہو گیا، میں اس وقت

کسی کو اپنی شکل تک نہیں دکھانا چاہتا تھا۔

کھیل کے بعد میں منہ چھپانے کی غرض سے غائب ہو گیا اور بجائے اپنے ساتھی کھلاڑیوں کے ساتھ گھر لوٹنے کے میں تنگ و تاریک اور سنسان گلیوں کے راستے سے گھر گیا، میں چاہتا تھا کہ اپنی کم نصیبی کو اپنی تنہائی میں پوری شدت سے رو سکوں

یہ احساس مجھ پر کئی دنوں تک حاوی رہا، اور رفتہ رفتہ میری طبیعت میں رس بس گیا۔ آخر میں میرے ٹیم کا کپتان میرے پاس آیا اور اس نے میری تھوڑی کو زور سے جھٹکا دے کر کہا "خوب غور سے سن لو! میں اپنی سلوانیہ کے تمام فل بیکوں کو چھوڑ کر صرف تمھیں ساتھ لینا چاہتا ہوں۔ کسی چوک یا غلطی کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے ——— تم جتنا اس سے سیکھ سکو، سیکھو، اور پھر طوفان کی طرح کھیل میں پل پڑو"

ہمیں اپنی تمام غلطیوں کی سمت اسی انداز سے سوچنا چاہیئے ہم ان سے جتنا کچھ سیکھ سکیں، سیکھنا چاہیئے، اور پھر انھیں ہمیشہ کے لیے فراموش کر دینا چاہیئے۔

"ہمیں عادت ڈالنی چاہیئے کہ ہم ہمیشہ اپنی نگاہ ارفع اور اعلیٰ چیزوں پر رکھیں ہمیں اپنی فاش غلطیوں اور المیوں کے اندر بھی نگاہ ہمیشہ نیک اور ارفع چیزوں پر ہی رکھنا چاہیئے" ڈاکٹر برک ہارٹ فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ میں کچھ نوجوانوں کو ساتھ لے کر لشکری سفر پر جا رہا تھا کہ ان میں ایک نوجوان لڑکا مارا گیا، یہ ایک بہت خوفناک سانحہ تھا، اس کی ذمہ داری

میرے سر تھی، میں نے وہ ذمہ داری محسوس کی، میں نے اس وقت ایسا محسوس کیا جیسے مجھے فوراً گرجے کی مذہبی جماعت سے مستعفی ہو جانا چاہیئے لیکن جب میں لڑکے کے والدین سے ملا تو انھوں نے مجھے معاف کر دیا مجھے بخش دیا، میں نے اس لڑکے کی یاد میں گرجے کی محفل کو خود ہی منعقد کی

یہ بہت بڑا المیہ تھا، بڑی گہری چوٹ تھی، لیکن میں نے دیکھا کہ اس سے بہت ہی مفید صورتیں نکلیں، اس لڑکے کے والدین ایک دوسرے کے اور زیادہ قریب آگئے وہ ان والدین کی جماعت کے کونسلر بن گئے جن کے بچے جنگ میں کام آئے تھے، مجھے انھوں نے بخش دیا، اب میں اپنے معاملے میں ان سے زیادہ تقصیر سے کام لیتا ہوں۔

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی غلطی کتنی ہی شدید اور فاش کیوں نہ ہو البتہ ہمیں چاہیئے کہ ہمیں اپنا زاویہ فکر ٹھوس اور اپنا ایمان محکم رکھیں ہمیں آخر میں ہمیشہ فائدہ پہنچے گا۔

بنیادی طور پر آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں، آپ اگر اپنے آپ کو ٹھوس فکری انداز میں ڈھال لیں تو آپ دوسرے کے خوف اور دہشت کو اپنے دامن سے جھٹک کر پھینک سکتے ہیں، یہ درست ہے کہ آپ لمبا سال سے رگ و پے میں سرایت کی ہوئی عادت کو محض دامن جھٹک کر نہیں پھینک سکتے آپ مکمل طور پر اپنے ماضی کو پھر سے نئے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں لیکن آپ بنیادی طور پر صحیح سالم ہیں اور دوسروں سے مختلف نہیں ہیں، آپ یہ تو

جان سکتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے خوف آپکی شخصیت میں گرہ ڈال دیتے ہیں۔
آپ گذری ہوئی باتوں کا غم نہ کیجئے، آپ آج یہ دیکھنا شروع کر دیجئے کہ آپ میں کون سی اچھائیاں ہیں اور آپ نے ان اچھائیوں سے کیا مصرف لیا ہے، اس طرح کرنے سے یہ ہوگا کہ آپ دوسروں کے ساتھ خوف و دہشت کے تمام احساسات سے پاک ہوجائیں گے اور یہ چیز آپکو زیادہ ٹھوس طریقۂ زندگی کے تلاش کرنے میں مدد دے گی۔

ذیل میں چند مشورے پیش کئے جاتے ہیں جو آپ کے لیے فوری مدد کی چیز ثابت ہوں گے

۱۔ آپ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی کوشش کیجئے کہ آپ کی کم مائگی کا احساس اور دوسروں سے خوف کھانے کا احساس مکمل طور پر آپ کا خود ساختہ ہے۔

۲: یاد کیجئے کہ بہت ممکن ہے کہ آپکے اندر خوف یا دہشت کے احساسات کسی بچپن کے حادثے سے نہ پیدا ہو گئے ہوں۔

۳: یاد کیجئے کہ اگر آپنے اپنی زندگی میں کوئی غلطی نہیں کی ہوتی اور آپ بالکل بے داغ ہوتے تو عام لوگوں کے ساتھ آپ کا نباہ ممکن نہ تھا، آپ کو اپنی غلطیوں کا مشکور ہونا چاہیئے جن سے آپنے یہ سبق سیکھا کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے۔

۴: آپ کو مافوق البشر ہونے کی ضرورت نہیں، اس قسم کسی جانور کا

وجود نہیں ہے، آپ دوسروں کے لیے مناسب طور پر قابلِ قبول ہیں تو پھر آپ کو کیا ضرورت ہے کہ اپنی ہشیاری اور ذہانت سے لوگوں کی آنکھیں خیرہ کرتے پھریں، آپنے جو تھوڑی بہت ترقی کی ہے اس پر مطمئن رہیئے، باقی قوت رفتہ رفتہ آپکو حاصل ہو جائے گی۔

۵۔ ہمیشہ وہی کچھ بننے کی کوشش کیجیے، جو اصلتاً آپ ہیں آپ کو ہر کس و ناکس کی خوشنودی حاصل نہیں کرنی ہے آپکے لیے یہ ضروری نہیں کہ آپ ہر کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لیں اور اس کی بات کو مان لیں، آپ ہر شخص پر اثر نہیں ڈال سکتے۔

۶: کچھ عرصے کے لیے ستا لیجیے اور تازہ دم ہونے کے لیے لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ وہ آپ پر اپنا اثر ڈالیں، اگر آپ ذہنی شکست رہے ہوں گے اور دوسرے لوگوں پر اپنا دھیان مرکوز کر لیں گے تو آپ اپنے آپ سے ذہنی طور پر منقطع ہو جائیں گے اور عافیت محسوس کریں گے، اور اگر آپ کو دوسرا شخص متاثر نہیں کر پاتا، کیونکہ اس کا بھی امکان ہے تو آپ اپنے آپ کو اس کے لیے نہ کوسیں۔

۷: بردباری سے جائزہ لیجیے، اب کے دفعہ اگر آپ کسی کا خوف یا ہراس محسوس کریں تو آرام سے بیٹھ جائیے اور اس شخص کے وجود کو ننگا کر کے دیکھنے کی کوشش کیجیے کہ آخر وہ کس بل بوتے پر آپ کے اوپر رعب بٹھانا چاہتا ہے؛ آپ جب بغور اس چیز کا جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا

ہوجائیگا کہ کچھ لوگوں کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ آپ پر اور دوسروں پر اپنا رعب جھاڑیں، چنانچہ اسے بُردباری کے ساتھ دیکھئے اور اپنے مشاہدے کی طرف اطمینان حاصل کیجئے۔

۸۔ پہلے آپ دوسرے آدمی کو گفتگو کا موقع دیجئے، پھر بعد میں آپ بولئے، کیونکہ طریقہ یہی ہے کہ پوری گفتگو میں نصف حصہ آپ کے لیے ہے اگر نصف سے زیادہ حصہ آپکو کوئی خود بخود دیدے تو فائدہ اٹھائیے۔

۹: آپ اپنی ہر غلطی سے ایک سبق حاصل کیجئے، دنیا کے عقلمند لوگ یہی کرتے ہیں، کامیاب ترین ہستیاں اسی طرح تجربات حاصل کر کے آگے بڑھتی ہیں۔

۱۰: ایک غلطی کو دوبارہ کرنے سے پرہیز کیجئے اور کوشش کیجئے کہ آپ کم سے کم غلطی کریں، اگر آپ کا رُجحان یہ ہوجائے کہ آپ کو مقصد میں کامیابی تو ہوگی نہیں اس لیے غلطیاں کرنے میں کیا ہرج ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ مستقل طور پر ناکام رہنے کی مشق کر رہے ہیں۔

۱۱: کسی غلطی کے سرزد ہوجانے سے آپ اپنی جدوجہد میں نہ رُکئے، اگر آپ ایک دفعہ منھ کے بل گر پڑے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوں اور دوبارہ کوئی طریقہ اختیار کیجئے، اپنی غلطی کو پکڑ کر بیٹھ نہ جائیے۔ اپنے خون کی گردش میں اپنے خیالات کے تندی میں کامیابی کی لگن پیدا کیجئے۔

۱۲: تو کیا آپ شکست خوردہ اور ناکام رہے ہیں؟ کوئی پروا نہ کیجئے اسے

ہنسی میں اڑا دیجیے، اگر ممکن ہے تو ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو پھر چن لیجیے، اور انھیں جوڑنے کی کوشش کیجیے، اگر ایسا ممکن نہیں تو اس غلطی سے ایک تجربہ حاصل کر کے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے ذہن میں اس حقیقت کو رکھ کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں کہ دوسرے لوگ بھی ناکام ہوتے ہیں لیکن اپنی غلطی سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جن میں کسی نقصان سے فائدہ حاصل کرنے کی لگن ہوتی ہے۔

۱۳ : ٹھوس انداز اختیار کیجیے اور پریس رپورٹر کے سُرخ نیکہ والے فارمولے کو استعمال کیجیے، یقیناً آپ پھر کبھی کسی سے خائف نہ ہوں گے اور اگر ہوئے بھی تو شاذ و نادر۔

•

۱۱

خود فریبی کا مہذب طریقہ

اگر آپ نے اپنی عذر خواہیوں کا قلع قمع نہیں کریں گے تو یہ آپ کو ایک منفی اور اعصابی مریض بنا کر چھوڑیں گی، انسان اپنے آپ کو بے اندازہ بیوقوف بنانے کے فن میں یکتا ہے، چونکہ اس میں حقیقت سے آنکھیں چار کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اس لیے وہ ہزار بہانے تراشنے اور عذر طلب کرنے لگتا ہے، یہ چیز اگر ہماری عادات میں داخل ہو جائے تو ہم خود فریبی کی دھند میں ہمیشہ کے لیے کھو جائیں گے۔

عذر خواہی کی دو قسمیں ہوتی ہیں پہلی قسم ایماندارانہ اور خالص ہوتی ہے، اور دوسری قسم غیر ایماندارانہ اور نقلی ہوتی ہے، جیسے عذر لنگ کہتے ہیں، اگر آپ کی کلائی میں موچ آگئی ہے اور اس لیے آپ گیند نہیں پھینک سکتے تو یہ ایک عذر واقعی ہے، لیکن جب آپ کی کلائی ٹھیک ہو جاتی ہے اور آپ اس کے باوجود موچ ظاہر کرتے ہیں تاکہ آپ کھیل میں شکست نہ کھا

جائیں یا اس قسم کا کوئی خدشہ آپ کو لاحق ہے، اور اس سلسلے میں آپ یہ مکر پھیلا رہے ہیں تو پھر آپ کا عذر، عذرِ محض ہے۔

اس قسم کی بہانہ سازی کہ "بھئی آج تو مجھے کچھ کا غذات کا مطالعہ کرنا ہے میں آپ کے ساتھ سینما نہیں جا سکتا" اسے اگر آپ صاف لفظوں میں کہیں گے تو یہ ہو گا "آپ کے ساتھ سینما جانے سے میں بور ہوتا ہوں" ایسی بہانہ سازی جو ایک خوبصورت فریب کی شکل میں پیش کی گئی ہے، بعض صورتوں میں جائز بھی ہو سکتی ہے، اگر اس بہانہ سازی سے آپ کا کوئی نیک مقصد وابستہ ہے لیکن بہت سے منفی رجحان رکھنے والے حضرات سیدھی سادھی عذر خواہیوں کو اس حد تک اپنی عادت بنا چکے ہیں کہ یہ ان کے ذہن میں حقیقت سی بن کر رہ گئی ہے اور اس پر وہ اسی طرح اعتماد کرتے ہیں جتنا کسی اور حقیقی چیز پر کر سکتے ہیں۔

میں ایک ایسے ہی منفی الذہن صاحب کو جانتا ہوں جنھوں نے خود فریبی کو اپنا شعار بنا لیا ہے، ان حضرات کی زندگی بے حد تلخ ہے، ان کے دوست صرف وہی ہیں جو ان کے دستر خوان کے جوٹھے ٹکڑوں سے اپنا پیٹ پالتے ہیں، مگر یہ حضرت اپنے ذہن سے یہی سوچتے ہیں کہ ان کے وہ تمام دوست ان کے ذاتی اوصاف اور خوبیوں کی کشش سے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان تمام لوگوں پر اپنا رعب جھاڑنا پیدائشی فرض تصور کرتے ہیں، انھوں نے خود فریبی کو اس معراج پر پہنچا دیا ہے کہ اگر وہ اس کے بدلے کسی اور وصف

کو اتنے معراج تک لے جاتے تو اُن کا شمار جنٹس لوگوں میں ہوتا ہے، ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی، جو انھیں ورثے میں ملی تھی، اس ورثے سے جو انھیں ایک بلند پایہ مرتبہ مل گیا تھا وہ اس سے اس خود فریبی میں مبتلا ہو گئے کہ سارے کاروبار کو وہی چلا رہے ہیں، حالانکہ اس کا کاروبار میں پیہم ناکامیاں ہو رہی تھیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ہر ناکامی کے لیے ایک عذر تلاش کر لیتے، قسمت تو صانع قدرت کی نعمت ہے، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اس لیے ان کی قسمت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، البتہ ان کی کاروباری حالت پتلی ہوتی گئی، اور وہ خود کو ہمیشہ ایک بلند پایہ اور کامیاب قسم کا کاروباری سمجھتے رہے، انھوں نے کاروبار کو ساتھیوں پر چھوڑ رکھا تھا۔ اب وہ خود اپنی زبان سے اس بات کا اعتراف نہیں کرتے کہ وہ تمام وقت، عیاشیوں پہ گذارتے رہے ان کے ساتھی اور دوسرے کاروباری حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان تمام ناکامیوں کا ذمہ خود ان کے سر ہے لیکن انھیں تو کبھی اس قسم کا خیال چھو تک نہیں سکا، کیونکہ وہ عذر خواہی اور خود فریبی میں یکتا ہیں اور اس قسم کا خیال ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔

عذر خواہیاں اور بہانہ سازیاں ہمارے لیے ایسی مجرب گولیاں جنھیں کھا کر ہم اپنی محرومیوں اور ناکامیوں کا درد مٹاتے ہیں، آئیے ہم مل کر اپنی عذر خواہیوں کو جانچیں اور انھیں صحیح روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں :-

عذر: جس وقت سڑک کو عبور کر رہا تھا، اس وقت ٹریفک کنٹرول کی بتی سبز تھی۔

حقیقت: جی نہیں! روشنی سُرخ تھی، آپ جلد بازی میں تھے اور خطرہ مول لینا چاہتے تھے۔

عذر: جب تک رسوخ نہ ہو ہمارا دفتر میں ترقی حاصل کرنا مشکل ہے۔

حقیقت: جی نہیں! آپ اپنے موجودہ کام میں دلچسپی نہیں لیتے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ بیشتر مرد اور عورت بغیر کسی اثر یا رسوخ کے ترقی کے منازل طے کر لیتے ہیں۔

عذر: مجھے عمدہ قسم کی کتابیں پڑھنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہُوا، مَیں پڑھنا تو چاہتا ہوں لیکن میرے پاس وقت نہیں ہوتا۔

حقیقت: آپ عمدہ قسم کی کتابوں کو خشک سمجھتے ہیں، اس لیے گھٹیا کتابوں اور ریڈیو میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔

عذر: مجھے علم نہیں تھا کہ بندوق میں گولی بھری ہوئی تھی۔

حقیقت: آپ لاپروا آدمی ہیں اور آپ سے غلطی ہوئی ہے لیکن آپ کاہے کو اپنی غلطی تسلیم کرنے لگے۔

عذر: اگر مَیں اپنے بہنوئی کو اپنے دفتر میں کوئی جگہ دلوا دوں تو اس سے مجموعی طور پر ہماری خانہ داری کے لیے بہتر ہو گا۔

حقیقت: آپ اتنے شریف کب ہیں کہ اُنکے لئے اتنی زحمت اٹھاتے، وہ

تو یہ کہیئے کہ آپ کے بہنوئی آپ کے پیچھے پڑ گئے ہیں، کہ آپ انھیں ملازمت دلوایئے، اس کے علاوہ آپ کو یہ بھی خیال ہے کہ اگر ان کو جگہ مل گئی تو آپ کو اپنی جیب سے انھیں کچھ نہیں دینا پڑے گا بلکہ آپ دفتر والوں سے دلوائیں گے۔

عذر: مردوں کی تو خاصیت ہے کہ وہ لڑکیوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں مگر میں اپنی ذہانت اور عقلمندی سے انھیں خوب الو بناتی ہوں جیساکہ عام لڑکیاں کرتی ہیں اس سے میری اور زیادہ شہرت ہوتی ہے

حقیقت: آپ خود مطلب، مرعوب اور مردوں سے خائف ہیں اور دوسری مشہور لڑکیوں سے آپ کے دل میں رشک وحسد پیدا ہوتا ہے۔

عذر: میں اتوار کے روز گرجے نہیں جاؤں گا، ہفتے بھر کے کام سے تھک کر چور ہوں، اس کے علاوہ وہاں لوگ مجھ سے ہمیشہ چندہ مانگتے ہیں اور عجیب غریب لوگ آتے رہیں۔

حقیقت: دراصل آپ کاہل الوجود ہیں، آپ کیوں جانے لگے، آپ تمام اتوار سوئے رہنا چاہتے ہیں، دوسرے آپ گرجے کے ماحول میں عافیت بھی محسوس نہیں کرتے۔

عذر: میرے خاوند تو ہر وقت جنسی باتیں سوچتے رہتے ہیں، میں ایک اچھی ماں، اچھی باورچن اور اچھی خانہ دار ہوں اس سے زیادہ میں اپنے شوہر کی اور کیا خدمت کر سکتی ہوں۔

حقیقت: دراصل آپ اپنے گھر کو اپنی اور اپنے بچوں کی عافیت گاہ کی نظر سے پہلے دیکھتی ہیں، آپ ایک ناکارہ بیوی ہیں اور اپنی حماقت کے سبب اپنے شوہر کو محض ایک چیک کی کتاب سمجھتی ہیں۔

عذر: میں یوں تو شراب کو کبھی پسند نہیں کرتا، لیکن کیا کروں، کاروباری ضروریات کے تحت پینی ہی پڑتی ہے۔

حقیقت: ارے صاحب، جانے بھی دیجئے، آپ تو شراب کے دیوانے ہیں۔

عذر: لیکن مینجر صاحب، فرینک نے مجھے اور بہت سے کاغذات ٹائپ کرنے کے لیے دیئے تھے، اس لیے مجھے وقت نہیں ملا.....

حقیقت: تم اس کام کو بھول گئے! جھوٹے!

عذر: بک کیپر نے مجھے اعداد و شمار دیئے تھے وہ غلط تھے، اس لیے اگر میرے تخمینے میں غلطی ہوئی تو میرا کیا قصور تھا؟

حقیقت: آپ نے ان اعداد و شمار کی جانچ پڑتال کی زحمت کیوں نہیں گوارا کی، آپ کو تو تخمینہ کرتے وقت غلط اعداد و شمار کا احساس بھی نہیں تھا۔

عذر: اگر تانگہ وقت پر اسٹیشن پہنچ جاتا تو میری گاڑی کبھی نہ چھوٹتی!

حقیقت: گاڑی تو صاحب، اس لیے چھوٹی کہ آپ وقت پر گھر سے چلے ہی نہیں تھے۔

عذر : میری بڑی خواہش ہے کہ میں اپنا وزن کم کراؤں، میں اسی لیے کھانا بھی کم کھاتا ہوں، مگر تھوڑی بہت طاقت رکھنے کے لیے کھانا تو کھانا ہوا۔ ضرور میرے غدود میں کوئی حرج واقع ہوا ہے۔

حقیقت : اوہ، آپ تو کھانے پر جان دیتے ہیں، آپ تلے اوپر کھاتے رہتے ہیں، اس لیے آپ پتلے کیا خاک ہوں گے، آپ تو اور زیادہ پھول جائیں گے۔

عذر : مَیں کچھ نہ کچھ پس انداز کرنا چاہتا ہوں مگر میری بنیادی ضرورتیں ہی کمبخت اتنی ہیں کہ سارے پیسے انھیں میں ختم ہو جاتے ہیں۔

حقیقت : رہنے دیجئے صاحب، آپ پیسہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر انھیں پس انداز کرنا بالکل نہیں چاہتے۔

عذر : ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنھیں کرنے کی مجھے بہت تمنا ہے، پر کیا کروں وقت ہی نہیں ملتا۔

حقیقت : آپکو ہر دن میں چوبیس ۲۴ گھنٹے ملتے ہیں۔

عذر : میری کتاب اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، عمدہ سے عمدہ تبصرے ہوئے ہیں، اگر ناشرین اس پر ذرا محنت کرتے تو خوب بکتی۔

حقیقت : آپ کی کتاب اچھی نہیں تھی، اس کو آگے بڑھانے میں آپ کے ناشروں نے حتی الممکنہ کوششیں کیں اور وہ شاید اور زیادہ محنت

کرتے مگر آپ کی کتاب اس معیار کے لیے مناسب ہی نہ تھی۔

عذر : آپ اپنی اور دوسروں کی عذر خواہیوں کو کاغذ پر لکھیے۔

حقیقت : ان تمام عذر و مفروضات کو حقیقت کی روشنی میں جانچیے اور اُن خفیہ ٹال مٹول کو عُریاں کیجیے اور ان سے پرہیز کیجیے

بیشتر مرد اور عورتیں، عذر تراشیوں میں اپنا جتنا وقت اور دماغ صرف کرتے ہیں اگر اسی کو کسی عمدہ چیز میں صرف کرتے تو بے پناہ فائدہ حاصل ہوتا، عذر حسین اور عذر اخانم کو منفی صفحات کے لوگ ہیں اور بعض اوقات لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں لیکن بیشتر اوقات خود ہی بے وقوف بنتے ہیں۔

عذر خواہی کا معیار بعض اوقات اتنا بلند ہوتا ہے کہ آدمی مستقل طور پر اعصابی خلل میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہم اس حقیقت کو نظر انداز کر کے خود کو دھوکہ دے سکتے ہیں کہ خیالی طور پر ہم جو اپنی الگ تصویر بنا لیتے ہیں وہ اس تصویر سے قطعی مختلف ہوتی ہے جو دوسرے لوگ ہمیں دیکھ کر بناتے ہیں۔

ماہر نفسیات کہتے ہیں کہ اعصابی مریض، اس حقیقت سے کلی طور پر لاعلم ہوتا ہے کہ تصویر ایک محض بناوٹی تصویر ہے، یہ تصویر خارجی سامعین کے لیے تو مختلف ہو سکتی ہے مگر وہ اپنے طور پر جو ایک تصویر بنا چکا ہے اسی پر قائم رہتا ہے اسے یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مصنوعی اور بناوٹی

تصویر بنا کر خود کو بے وقوف بنا رہا ہے اور وہ ان تصویروں کو سچ سمجھ رہا ہے جو اس نے خود اعتمادی اور کارکردگی کے جذبے کو حاصل کرنے کے لیے محض ذہنی طور پر وضع کر لی ہے۔

اس قسم کے غیر حقیقی ذہنی اور اعصابی قلابازیوں کو فرائڈ کی نگاہ دوررس نے پہچان لیا تھا اور وہ انھیں خودی کی معراج حاصل کرنے کا ایک مصنوعی ذریعہ سمجھتا تھا ایڈلر نے اس قسم کی ذہنی اور اعصابی قلابازی کو برتری کی آرزو سے تعبیر کیا ہے، ڈاکٹر کیرن ہنری اسے خود اعتمادی حاصل کرنے کا ایک واحد ذریعہ سمجھتے ہیں ورنہ وہ آدمی خود تحقیری کا شکار ہو جائے "۔

یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہیئے کہ جب تک اس مرض موذی کا ہم باقاعدہ نفسیاتی علاج نہیں کراتے ہم غلط معروضات کے ذریعے خود بھی بے وقوف بنیں گے، اور دوسروں کو بھی نقلی چہرے دکھا کر فریب میں مبتلا کریں گے، ہم یہ نہیں محسوس کرتے کہ لوگ ہمیں ایک سالم شخصیت کی بجائے شخصیت کے ٹکڑے سمجھتے ہیں شخصیت کی ایک ذراسی شگفتگی شخصیت کی پوری تصویر کو تباہ کر سکتی ہے۔

شخصیت کی وہ پیاری تصویر جو آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آتی ہے اور جیسے آپ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اسی طرح نظر آتی ہو گی اُن کا ایک لفظی خاکہ یوں ہو سکتا ہے:

منکسر المزاج	قابلِ اعتماد
دریا دل	دلکش
متوازن	درد مند
فیاض	وسیع الذہن
مستحکم	شکل و شباہت میں بے مثل
مشہور	وسیع دل

اچھا اب ان پیاری تصویروں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بڑی خامیاں یہ ہیں:

.بہت زیادہ زود حِس	.بہت زیادہ مہربان
.بہت زیادہ فیاض	.بہت زیادہ عفو پرور

یہ خامیاں الفاظ کے کیمرے کے سامنے بہت زیادہ مثالی معلوم ہوتے ہیں لیکن ذرا توقف کیجیے، بعض دفعہ

دوسروں کی آنکھیں انھیں اس طرح بھی دیکھتی ہیں	آپ متعصب ہیں
آپ کور دلی کی حد تک ذلیل ہیں؛	آپ قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔
آپ دوسرے سے رشک کھاتے ہیں:	اگر آپکا بس چلے تو آپ جسمانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں

آپ اپنی خامیوں پر پردہ ڈالتے ہیں
آپ نفرت کرتے ہیں
آپ ذرا سے میں تاؤ کھا جاتے ہیں
آپ کے حرکات شرمناک ہیں

آپ خود غرض ہیں
آپ نامعقول ہیں
آپ جھکّی ہیں
آپ فریب کے
پتلا ہیں۔

آپ کج دماغ ہیں۔
آپ خبطی مزاج کے آدمی ہیں۔

اب بتائیے، کیا آپکو یقین ہے کہ آپ ان میں سے کچھ نہیں ہیں؛ خیر ممکن ہے آپ یا میں ایسے نہ ہوں لیکن دوسرے لوگ۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ یہ شخصیت کے فطری پہلو ہیں اور بتدریج زیادتی اختیار کرتے جاتے ہیں، ہم اپنی شخصیت کی اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں یہ عیوب دیکھتے تو ہیں مگر یہ ہمیں بہت دھندلا دھندلا سا نظر آتا ہے اس لیے ہم عیب دار حصوں کو چمکیلے الفاظ کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا مطلب وہی کچھ ہوتا ہے جو مطلب ہم ان سے برآمد کرنا چاہتے ہیں ان الفاظ کی شعبدہ بازیوں میں تصویریں اس طرح دکھائی دیتی ہیں:

یہ تو آپ ہیں	مگر دوسرا شخص
نہایت مستقل مزاج	ضدی
محتاط	خبطی مزاج

اپنے حقوق کے طلبگار	لالچی
وفادار	پُرفریب اجہاں وہ آپکے حقوق پر ہاتھ ڈالتا ہے)
سخی دل	خود غرض
بارسوخ	قسمت کا مارا ہُوا

چنانچہ ہم جن لوگوں سے خوف کھاتے ہیں یا جن سے ہمیں نفرت ہوتی ہے ہم ان کی تصویروں کو مسخ کر کے خود کو بے وقوف بناتے ہیں اور ٹھیک جیسے اس کے برعکس ہم ایسے لوگوں کو جن سے ہمیں پیار ہوتا ہے، اپنی طرف سے ان میں خوبیاں پیدا کر دیتے ہیں خود ہم یہی عمل اپنے اُوپر بھی دہراتے ہیں۔

بعض لوگ الفاظ اور صرف الفاظ میں عجیب قسم کا بھولا اعتماد رکھتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ الفاظ میں کوئی ایسا سحر ہے جو بار بار دوہرانے سے حقیقت کو بدل کر رکھ دے گی، یا حقیقت کا بدل بن جائے گی انہیں یہ سمجھ نہیں ہوتی کہ ان الفاظ کا مبہم یا غیر ایماندارانہ استعمال ایک ایسے غیر صحت مندانہ شخصیت کو ظاہر کرتا ہے جو اپنے مسائل کو صاف طور سے بیان کرنے میں قاصر ہے

یہ تو ہم سبھوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ابھی بعض لوگ عہدِ رفتہ میں زندگی گذارتے ہیں اور وہ حقیقت اور تصور میں امتیاز نہیں کرتے، یہ حقیقت روشن من الشمس ہے کہ آپ کے اور ہمارے کالجوں کے گریجویٹ کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو اس قسم کے ذہنی بے بضاعتی کے شکار ہیں اور وہ تصور

کو حقیقت کا نعم البدل سمجھتے ہیں، ان میں فنونِ لطیفہ کے شوقین، ہر فن مولا کے لوگ، امارت پرست اور اس قسم کے عقل و دانش ظاہر کرنے والے لوگ شامل ہیں جن کی ساری زندگی ظاہرداری میں گذر جاتی ہے اور وہ میرزا ظاہر دار بیگ بن کر رہ جاتے ہیں۔

جو شخص جتنا ذہین، جتنا ٹھوس و مانع ہوگا وہ اپنے الفاظ کے استعمال میں اسی قدر مختصر، ٹھوس اور نپا تلا ہوگا، الفاظ کے غلط استعمال کے ذریعے آپ جس قدر خود کو بے وقوف بنا ڈالیں گے اور دوسروں کو سبز باغ دکھانے کی کوشش کریں گے، اسی قدر آپ اپنی شخصیت کو اور دوسروں کو نقصان پہنچائیں گے اور اسی قدر اپنی منفی صلاحیتوں کی نمائش کریں گے۔

اس قسم کے عام پائے جانے والے کم و بیش غلط بیانیوں کی جانچ کریں جنھوں نے بعض صورتوں میں تقریباً حقیقت کو بھی جھٹلا دیا ہے۔

"ہائے ننھی کتنی پیاری ہے، کتنی خوبصورت ہے میری ننھی، ذرا اسے دیکھو تو ———— حد سے زیادہ حسین!" ایک سادہ لوح ماں اپنی بچی کی تعریف میں رطب اللسان ہے، اس نے یہ الفاظ اتنی بار دہرائے ہیں کہ اب وہ ان میں یقین کرنے لگی ہے، اب آپ ذرا بچی کی طرف دیکھئے جس کی آنکھیں بھینگی ہیں، جس کے دانت باہر کو نکلے ہوئے ہیں، جس کی ناک بیٹھی ہوئی ہے اور جو کسی اعتبار سے بھی ایک عام لڑکی سے زیادہ کچھ نہیں ہے، صرف ایک ماں ہی ایسی بچی کو خود کو دھوکہ دے کر خوبصورت کہہ سکتی ہے، وہ ماں

اس جملے کو بار بار اس لیے دہرا رہی ہے تاکہ وہ حقیقت کو بدل دے یا اسے خود سے چھپائے رکھے، اگر وہ اپنی بچی کے حسن کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان رہی تو ایک دن ممکن ہے وہ یہ سمجھنے لگے کہ اس نے واقعی حقیقت کو بدل کر رکھ دیا ہے، حالانکہ وہ بچی کی آنکھ پر عینک لگوانے اور اس کے دانت کے لیے کوئی تدبیر نہ کر کے اس کے حق میں نقصان پہنچا رہی ہے۔

میرا منھا بڑا ذہین ہے اس کا شمار شہر کے چند ذہین اور خوبصورت بچوں میں ہوتا ہے" پاپا یہ بات منھ سے نکالتے ہیں اور ممی فوراً ہاں میں ہاں ملاتی ہیں اور بیک آواز دونوں کہتے ہیں" اسکول کے ماسٹر تو غبی ہیں، ورنہ میرا منھا تو پڑھائی میں بہت تیز ہے" یہ دونوں ماں باپ اس جملے کو اتنی بار دہرا چکے ہیں کہ اب وہ اس میں یقین کرنے لگے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے، منھا اسکول میں جو تیزی دکھلا رہا ہے وہ اس کی پیہم ناکامیوں ہی سے واضح ہے، اگر اسکول کے اُستاد اس پر شفقت کی نظر نہ کرتے تو وہ پہلی ہی جماعت میں لٹکتا رہ جاتا، تقریباً ہر ماسٹر یہی کہے گا کہ بچوں کو کند ذہن اور نالائق بنانے میں والدین ہی کا سب سے زیادہ ہاتھ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ کوئی اسکول ماسٹر منے کے موروثی احساسات اور خاندانی پس منظر کو تبدیل نہیں کرسکتا اور والدین لاکھ کوشش کریں اپنے الفاظ کے سحر سے اس سنگین حقیقت کو تبدیل نہیں کرسکتے، حالانکہ ان والدین کا یہ فرض تھا کہ اس کی بجائے کہ الفاظ کی سحر طرازیوں سے منے کے عیوب کو چھپاتے، وہ عملی اقدام کر کے اس کی تربیت اور تعلیم کی

طرف صحیح دھیان دیتے۔

میں وفاداری کا بڑی سختی سے پابند ہوں اور اسے تمام خوبیوں میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں، ایک بہت بڑا کاروباری یہ الفاظ بار بار دہراتا ہے اور جب کوئی شخص وفاداری کا لفظ استعمال کرتا ہے تو مجھے جھرجھری سی آ جاتی ہے، میں ایک ایسے کاروباری کو جانتا تھا، مندرجہ بالا الفاظ کو متواتر استعمال کرتا رہتا تھا، حالانکہ وہ شخص بذات خود اپنی حسین و جمیل بیوی اور ناک میں کان صرف ایک بچے کے ساتھ بے وفائی برتتا تھا وہ شخص اپنے بھائی کے ساتھ غیر وفادار تھا جو اسے اتنی زیادہ تنخواہ دیتا تھا کہ وہ اس کا اہل تک نہ تھا، اس نے اپنے بھائی کے نقد روپے چرائے، اس کے نام پر لوگوں سے قرضے وصول کئے، اپنے بھائی کی کمپنی کے فنڈ سے جوئے کھیلے، غرض کہ شرمناک بے وفائی جو ممکن تھی وہ اپنے بھائی کے ساتھ کرتا رہا، کرسمس سے ایک روز قبل اس نے اپنے بھائی کی کمپنی کے ایک نہایت ایماندار اور پرانے ملازم کی برطرفی کا حکم دے دیا، اس ملازم کے سر آٹھ نفوس کی کفالت کا بار تھا وہ اپنے دوست احباب غرض خود سے بھی بے وفائی کا مرتکب تھا وہ بار بار وفاداری کا ذکر کر کے اپنے عیب کے اوپر پردہ پوشی کرنا چاہتا تھا اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ ان الفاظ میں یقین رکھنے لگا تھا اور خود کو بڑے اعلیٰ پائے کا باوفا دار اور ایماندار انسان تصور کرتا تھا۔

لالچ بری بلا ہے لالچی آدمی کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا، میں نے یہ

الفاظ دنیا کے ایسے لالچی ترین انسان کے منہ پر کھیلتے ہوئے دیکھے ہیں جو
لالچ کا گنج گراں مایہ تھا، وہ اپنی عزت دولت اور شہرت کے معاملے میں
اس رذالت کی حد تک لالچی ہے کہ وہ محض اپنی اسی خوبی کے باعث شہر
بھر میں مشہور ہو گیا ہے، مگر اس کا ذکر اشتیاق اور احترام سے نہیں کیا جاتا
البتہ لوگ اس کا مذاق ضرور اڑاتے ہیں، وہ اپنے گرد الفاظ کے سحر کے
جال تانے رکھتا ہے اور بڑے خلوص سے اس بات میں یقین رکھتا ہے کہ
فیاضی اور دریا دلی صرف اسی کی ذات سے عبارت ہے۔

"میں بالکل فارغ البال قسم کا آدمی ہوں، سمجھا آپ نے، میں کسی کے سر
پر بار نہیں بنتا" یہ الفاظ ایک دفعہ ایک ایسے تیس سالہ نوجوان کی زبان سے
سنے گئے، جسے آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ کسب معاش کی دقتیں کیا ہوتی ہیں
اور وہ دوسروں کے ٹکڑے پر پلتا رہا۔ اسے جو نوکری بھی دی گئی وہ چھوڑ بیٹھا
اور اپنے ماں باپ کے سر جا پڑا کہ وہ اس کے لیے کوئی صورت پیدا کریں"۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا " وہ بالکل فارغ البال آدمی ہے، سمجھا
آپ نے"

آپ نے اس قسم کے باتوں کے رسیا لوگ اپنے ملاقاتیوں میں بھی
دیکھے ہوں گے، ان کو پہچاننا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔

ارباب عقل و دانش جو خود کو فنون لطیفہ کے ذوق کا اہل سمجھتے
ہیں اس مرض میں خاص طور پر مبتلا ہوئے ہیں، ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نویسوں

میں بھی آپ کو یہ بیماری ملے گی، جو سارے دن سوائے خوش گپیوں کے اور کچھ نہیں کرتے، ہماری روزمرہ کی زندگی میں سب سے زیادہ لاحاصل اور بے کار وہ لوگ ہیں جو ایسی چیزوں کے متعلق بے دھڑک اور بلند بانگ انداز میں گفتگو کرتے ہیں جن کے متعلق انھیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

ان میں سے بعض لوگ خود اشخاص خاموشی سے ڈرتے ہیں، چند دوسرے الفاظ کے بلند بانگ دعووں کے ساتھ رنگ جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسرے سے داد خواہ ہوتے ہیں، یہ اشخاص شاذ ہی کبھی اپنے مسائل کو پہچانتے ہوں، یا انھیں حل کرنے کی کوشش کرتے ہوں وہ تو ہمیشہ اپنے مسائل پر پردہ ڈالنے کے لیے الفاظ کی بلند و بالا دیواریں بننے میں مصروف ہوتے ہیں۔

چنانچہ منفی قسم کی شخصیتیں اسی طرح زندگی کی حسین جھنکاروں میں خود کو اور دوسروں کو فریب دینے کے کوشاں رہتے ہیں، یہ لوگ خود بھی محرومیوں کا کرب سہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کرب میں مبتلا رکھتے ہیں ان ہی کے برعکس، جو ٹھوس اور محکم دماغ کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرتے ہیں محکم دماغ انسان ذہنی دھند اور کہرے کو چیر کر آگے بڑھتا ہے وہ طوفان اور رودشینوں کے جگر شق کرتا ہوا اپنی منزل کی جانب گامزن ہوتا ہے اور منفی الذہن انسان تاریکی میں پناہ ڈھونڈتا ہے۔

آپ کے خواب پورے بھی ہو سکتے ہیں

خیالی پلاؤ پکانا، ٹھوس اور منتقی، دونوں قسم کے لوگوں کے لیے انتہائی لطف پرور مشغلہ ہے۔ ہم سارے لوگ ایسا کرتے ہیں۔ اپنی ذات پر ترس کھانیوالا ایک کلرک یہ خیالی پلاؤ پکاتا ہے کہ وہ ایک روز اس قدر دولت مند ہو جائے گا کہ ایک سہانی صبح وہ اپنے دفتر میں آئے گا اور اپنے قابل نفرت مالک کو تمسخرانہ انداز میں سلام کر کے پوچھے گا "بولو اس کمپنی کی کیا قیمت لوگے! میں اسے تمہارے سمیت خریدنا چاہتا ہوں"۔ رانے ہو در ڈ جنھوں نے کئی اخباروں کی اجرا کیا، کسی زمانے میں ایک مفلوک الحال اخبار فروش ہوا کرتے تھے اور سارا سارا دن سائیکل کے اوپر "ڈیلی ٹائمز" فروخت کیا کرتے تھے، ایک روز وہی ہاورڈ "ڈیلی ٹائمز" کے دفتر کے اندر آئے اور انھوں نے اخبار کو نقد خرید کیا۔

ڈولی ڈزی سٹس ایک غریب لڑکی تھی، وہ ہمیشہ ناول اور افسانوں کی

دنیا میں کھوئی رہتی تھی، وہ اپنے خوابوں اور خیالوں میں یہ دیکھا کرتی کہ بغداد، یونان، مصر، یا عرب کا کوئی بگڑا دل شہزادہ، اچانک آئے گا اور اسے سڑک پر سے اٹھا کر اپنی خوبصورت کیڈی لگ گاڑی میں بٹھائے گا اور پھر وہ اسے اپنے خوبصورت الف لیلوی شہر میں لیجائیگا اور ایک دن واقعی ڈالی کا خواب پورا ہو گیا، ایک روز سچ مچ جب وہ سڑک کے کنارے اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی چلی جا رہی تھی، کہ ایک حسین اور خوبرو شہزادہ جو واقعی الف لیلوی دنیا کا باشندہ تھا اپنے کیڈی لگ کار میں سوار ادھر سے گذر رہا تھا، اس نے فوراً بریک لگائی اور اس حسینۂ مختصر خیال کے سامنے جھک کر شادی کی پیش کش کی، اس کے خدام نے اس غریب اور مفلوک الحال لڑکی کو لعل و زمردات سے ڈھک دیا اور وہ اسے کھلی کیڈی لگ میں بٹھا کر ہوائی اڈے پہنچا، اور ہوائی جہاز پر بٹھا کر عرب کو چل پڑا، اسی طرح ایک ایک معمولی کان کن کی غریب لڑکی چند سال پہلے ایک کروڑپتی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئی۔

ہر بشر اپنے خواب و خیال میں مافوق البشر بن سکتا ہے، ہر عورت اپنے خواب میں وہ عورت بن سکتی ہے جس کی عام عورتیں متمنی ہوتی ہیں، رائیے ہو ورڈ اور کان کن کی دختر ہی کی طرح لاتعداد انسان اور بھی ہیں جنھوں نے اپنے خوابوں کے چند حصوں کو سچ مچ پورا کر دکھایا ہے اور لاکھوں اور کروڑوں دوسرے انسان بھی ———— جن میں خود آپ بھی شامل ہو سکتے ہیں ————

اگر آپ اپنے ارادوں میں مضبوط رہیں تو سچ مچ اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کر سکتے ہیں وہ لوگ جو اپنے بے معنی قسم کے منفی ہٹلے پن پر قائم رہتے ہیں، ان کی ساری زندگی خوابوں اور خیالوں میں کٹ جاتی ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ انسان میں خود کو بے وقوف بنانے کی جو لامتناہی قابلیت ہے، اسے بغیر کسی ٹھوس عمل پر مائل کئے بغیر خوش آئند تصورات میں کھوئے رکھتی ہے، اور یہ چیز دنیا بھر کی شراب اور افیم سے زیادہ مضرت رساں ہے۔

خیالی پلاؤ پکانے والوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

ٹھوس قسم کا خیالی پلاؤ پکانے والا، جو اپنی آرزو کی تکمیل کے لیے عملی جد و جہد کرتا ہے، جو خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لیے ٹھوس قدم اٹھاتا ہے جو اپنے مسئلے کو خاص طور پر دیکھتا ہے۔

منفی قسم کا خیالی پلاؤ پکانے والا، جو اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے لیے کوئی جد و جہد نہیں کرتا، جو اپنے مسائل کے متعلق صرف خوابوں خیالوں میں سوچتا ہے جو صرف بیٹھا ہوا لایعنی انداز میں سوچتا رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ سوچنا ہی عمل کا بدل ہے۔

آپ بھی خیالی پلاؤ پکاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ پہلے آپ اس بات کا پتہ لگائیں کہ آپ خیالی پلاؤ پکانے والوں کی کون سی قسم ہیں؟ آپ کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ محض آرزو کرنا اور آرزو کی تکمیل کے لیے عملی قدم اٹھانا دو مختلف چیزیں ہیں، آپ اپنی زندگی میں بہت سی چیزوں

کو ہونے پر مجبور کرتے ہیں ———— اور وہ چیزیں کب، کہاں اور کیسے ہوتی ہیں، اس کا انحصار بیشتر آپ کے ٹھوس یا منفی قسم کے رویے یا ان دونوں اوصاف کے درمیان پیدا ہونے والے کشمکش پر ہوتا ہے۔

اس قسم کی لاتعداد مثالوں میں سے ایک روشن اور تابناک مثال مشہور ناول نگار نینا ویکاکس کی ہے، جو ٹھوس قسم کے خیالی پلاؤ پکانے والوں سے متعلق رکھتی ہیں، جب وہ کم سن تھیں، اسی وقت انھوں نے ایک بہت بڑی ناول نگار بننے کا خواب دیکھا اور اس خواب کو حقیقت میں تبدیل کرنے کے لیے انھوں نے عملی اقدامات کئے۔ انھیں اس کا پورا احساس تھا، کہ ایک عمدہ خواب دیکھنا واقعی قابل اجتہاد ہے اور اس کئے انھیں اپنی راہِ عمل میں بہت سے منفی دماغ لوگوں کے خلاف غیر معمولی جدوجہد کرنا پڑا۔

"میرے خاندان کا ہر فرد میرے اس خیال کا مخالف تھا" وہ بتاتی ہیں "میرے والدین مجھے گھر میں لکھنے نہیں دیتے تھے، اس لیے میں نے ایک سہیلی کے باورچی خانے کو اپنا مرکز بنا لیا اور دن دن بھر بند وہاں لکھتی رہتی" اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ہمیں ان منفی عناصر کے خلاف صف آرا ہونا چاہیئے، جو ہمارے ماحول بعض دفعہ ہمارے لیے کھڑا کر دیتے رہیں۔

بعد میں جب نینا کی ادبی شہرت کی دھاک بیٹھ رہی تھی اور وہ بعض

سلسلہ وار کہانیاں لکھ رہی تھی، انہی دنوں میں اس کے دُور کے رشتے کا ایک عزیز بیمار ہو کر اس کے گھر آ گیا۔ گھر کے تمام اخراجات کی کفالت میرے ہی ذمہ تھی نینا کہتی ہیں، لیکن چونکہ میں عورت بھی تھی اس لیے میرے گھر والوں نے اسے میرا فرض تصور کیا کہ میں بیمار کی پلنگ کے پاس بیٹھی رہوں، میں خود بھی وہاں بیٹھنا چاہتی تھی، مجھے معلوم تھا کہ یہ میرا جذباتی فرض ہے کہ میں اس پلنگ کے پاس بیٹھوں، لیکن مجھے اس کا بھی احساس تھا کہ مجھے شہرت حاصل کرنی ہے اور یہ کہ میری کہانیاں لکھی جانی چاہئیں، چنانچہ میں ایک ہوٹل میں منتقل ہو گئی اور وہاں صبر و سکون کے ساتھ اس وقت تک مقیم رہی تاآنکہ میرا کام ختم نہیں ہو گیا۔

میرے گھر والوں نے اس پر بہت برا بھلا کہا، میں نے خود اپنے دل میں بھی سوچا کہ میں نے کیا ہے کو یہ چیزیں لکھیں جب مجھے اتنی ڈانٹ پھٹکار ملی لیکن میں نے وہی کچھ کیا تھا جسے میں بنیادی طور پر درست سمجھتی تھی، کہانی فروخت ہو چکی تھی اور اس سے جو پیسے وصول ہوئے ان سے اس عزیز کی بیماری کے اخراجات ادا کئے گئے،

کیا یہ سکون نینا کی سخت بے رحمی پر محمول کیا جائے گا۔ بالکل نہیں، نینا اس وقت تک اپنے گھر کی کفالت نہیں کر سکتی تھی جب تک کہ اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے عملی قدم نہیں اٹھاتی دوسرے منفی دماغ لوگوں نے اس کی راہ میں روڑے اٹکائے، وہ اپنے عزیز کی تیمارداری بھی کر سکتی تھی، مگر اس کے

علاج ومعالجے کے اخراجات کون پورے کرتا؟ بیتا بے رحم نہیں تھی، اس نے دوسروں کے لیے خزانے لٹائے ہیں وہ خزانے جو اس نے ٹھوس اور محکم دماغ سے اپنے خوابوں کو حقیقت میں بدل کر حاصل کئے تھے۔

خواب کاریاں بنیادی طور پر حقیقت سے فرار کا نام ہے، ایک ایسا فرار جو تصور میں اعتماد کی کیفیت پیدا کرنے لگتا ہے جب بھی ہم اپنے ذہن میں خواب بنتے ہیں تو ہم ایک ایسے ذہنی لطف و انبساط سے دوچار ہوتے رہیں جو اعلیٰ یادوں کے سجیلے رتھ پر بٹھا کر خواب و خیال کی وادیوں میں لے جاتی ہے اور ہم اپنے مستقبل، اپنی کاروباری زندگی اور اس قسم کی چیزوں کو ان کے معراج پر دیکھتے رہیں اور یہ سارے خواب بعض دفعہ ناقابل یقین کامیابی بخش دیتے ہیں دنیا کے تمام عظیم لوگوں کی کامیابی کی بنیاد کو اگر دیکھے گا تو وہ اپنے بلیع پر ایک خیالی پلاؤ ہو گا، لیکن اس کے باوجود خیالی پلاؤ پکانے کو لوگ برا نام دیتے رہیں، اس کو اس لیے خراب نام دیا گیا ہے، کیونکہ ان سے ناکامیاں بھی عبادت رہیں، کامیابی کے جھلمل کرتے ہوئے نگارین نقوش، جو دل کو لبھاتے ہوئے حرص و تحریص کے دلدل میں پھنسا دیتے رہیں، یہ بھی تو خیالی قلعے ہی بنانے سے ہوتا ہے

کوئی آئن اسٹائن جب برسوں علم ریاضی کے قسم کا خواب دیکھتا ہے جب جاکر وہ نظریہ اضافیت کی تخلیق کرتا ہے، کوئی گیتھو بیلز جب خوابوں خیالوں میں سویز کے اس پار جا پہنچتا ہے تو دنیا میں نہر سویز کا وجود عمل میں آتا ہے، کوئی رائٹ ہوا میں اڑنے کے خواب دیکھتا ہے تو ہوائی جہاز ایجاد ہو جاتا ہے۔

کوئی ارنسٹ ہمنگوے جب دوسری جنگ عظیم کے خواب دیکھتا ہے، تو "فار ہوم دی بل ٹولز" جیسی معرکہ آلارا کتاب وجود میں آجاتی ہے کوئی ایڈیسن برقیات کے امکانات کے متعلق الٹے سیدھے خواب دیکھتا ہے اور ساری دنیا برقی روشنی سے معمور ہو جاتی ہے، کوئی موزارٹ یا بیتھوون موسیقی کے شہ پاروں کے خواب دیکھتا ہے، جب کہیں وہ کاغذ پر خاکوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

لیکن اس قسم کے تمام خواب ہی افراد دیکھتے ہیں جو اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے عملی اقدام کر کے خواب کو حقیقت بنا لیتے ہیں جارج کیٹلٹ مارشل اپنی کمسنی کے عالم میں ایک بہت بڑے سپاہی بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا وہ ویسٹ پوائنٹ میں بھرتی ہونے گیا مگر اُسے فوج میں نہیں لیا گیا، پھر وہ ورجینا ملٹری انسٹی ٹیوٹ میں بھرتی ہو گیا، اور بھرتی کے چند ہی عرصہ بعد اتفاقیہ طور پر وہ رائفل کی سنگین سے زخمی ہو گیا اور تقریباً دم توڑ چکا تھا، اس کے سپاہی بننے کے خواب بھی اس کے ساتھ تقریباً دم توڑ چکے تھے، لیکن اس کی حالت پلٹ گئی اور پھر اس کے خواب زندہ ہو گئے وہ امریکہ کی ریاستی فوج کا افسر اعلیٰ بنا اور پھر "سرد جنگ عظیمہ" ریاستی سکریٹری کے گراں بہا عہدے پر متمکن ہوا

آج کے زمانے میں لاحاصل قسم کے مرد اور عورتوں کی اکثریت ایسے خواب بُننے کی عادی ہے جس کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا، ایسے خواب جو مندرجہ بالا لوگوں نے بُنے ہیں وہ خواب کار کے ذہنی نگار خانے سے نکل کر عملی زندگی

میں آئے ہیں اور انھوں نے اسے شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے حتی الممکنہ پنجہ آزمائیاں کی ہیں، انھوں نے ان خوابوں کو حقیقت کی روشنی میں دیکھا ہے اور اس کے امکانات کا اندازہ کیا ہے، آیا وہ تعبیر کے لائق بھی ہیں، انھوں نے ان خوابوں کو ٹھوس انداز میں برتنے کی کوشش کی ہے، ٹھوس اور محکم قسم کے لوگوں کے خواب زندہ ہوتے رہیں، لیکن منفی قسم کے لوگوں کے خواب محض خواب ہوتے رہیں جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے۔

ٹھوس اور محکم قسم کا خواب کار الحاقی طور پر حقیقت سے فرار اختیار کرنے کیلئے ٹیلی ویژن دیکھنے یا ڈرامہ دیکھنے، یا ایک خوبصورت ناول کے مطالعہ میں محو ہو سکتا ہے یا آرام کرسی سے ٹیک لگائے خیالات کے دوش پر دور کہیں اڑ کر جا سکتا ہے، لیکن جیسے ہی ٹیلی ویژن کے پردے کی روشنی بجھ جاتی ہے، جیسے ہی ڈرامے کا سین ختم ہو جاتا ہے، جیسے ہی ناول بند کرتا ہے، یا جیسے ہی کرسی سے اٹھ بیٹھتا ہے وہ اپنا عملی کام شروع کر دیتا ہے، مگر ایک خوابوں کا مارا ہوا شخص اپنے خواب کی دنیا سے باہر نہیں نکلتا، اسے خواب کی لوریاں سلائے رکھتی ہیں اور حقیقت کو قریب نہیں پھٹکنے دیتیں اس کا ایک خواب چھن جاتا ہے تو وہ دوسرا خوب بننے لگتا ہے اور یہ سب محض خواب برائے خواب۔ ، اس کے علاوہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا وہ اپنے خواب و خیال میں دیکھتا ہے کہ سر لارنس اولیویر یا سر جان گلگڈ بن گیا ہے، مگر وہ گلگڈ یا اولیور کی اداکاری کو مسحور کرنے کے ساتھ ڈرامے

میں اپنی جگہ پیدا نہیں کرتا وہ تھیٹر یا اسٹیج کے قریب نہیں جاتا اور پھر بھی وہ تصور میں گلگٹ بن بیٹھا ہے۔ اس قسم کے خوابوں میں ابگاڑے ہوئے سُست رو اور ناکارہ لوگوں کی تعداد بے شمار ہے

ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ ہر خیالی پلاؤ ایک تکمیل یافتہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر ذہنی خواب اس خواہش کی نمایندگی کرتی ہے جو پوری نہیں ہوتی ہے کہ رات کے خواب اور اس ذہنی خواب میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، تاآنکہ رات کا خواب ذہن کی پیچیدگیوں کو کسی قدر سلجھا دیتا ہے اس کا حل پیش کرتا ہے اسی قدر فائدہ، ذہنی خواب کے بغور مطالعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، کیونکہ اس میں خواہش کا عنصر شامل ہوتا ہے اس لیے اس سے مسرت اور انبساط اور سکون حاصل ہوتا ہے، ذہنی طور پر خواب بننے میں بڑے فائدے مضمر ہیں اس لیے ان کو بننے کی صلاحیت ضروری ہے۔

ماہر نفسیات کا کہنا ہے، ذہنی خواب کاری کی وہ اکثریت جو عام طور پر ناکامیوں سے دوچار ہوتی ہے، وہ فرد کی کمتری کے گہرے احساسات سے متعلق ہوتی ہے، کمتری کا یہ احساس خواہ وہ واجب ہو یا غیر واجب، ایک بزدل اور بہت زیادہ زود حس شخصیت کو ظاہر کرتی ہے، اس قسم کی شخصیت اجتہاد عمل سے بھاگتی ہے اور اس حقیقت سے پناہ ڈھونڈنے کے لیے خوابوں کا سہارا لیتی ہے، جہاں وہ تصور کے دل خوش کن پیکروں میں کھویا رہتا ہے اور یہ پیکر وہ اپنی خواہش کے متعلق جس قدر رنگین اور حسین چاہے تراش

سکتا ہے۔

ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ محرومیاں خواب کاریوں کا گڑھ ہیں ایک لڑکا جو سخت گیر قسم باپ کے زیر سایہ پرورش پاتا رہا ہے، یا جس پر اس کے بڑے بھائی، بہنیں حکم چلاتے رہے ہیں اور اپنے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے رہے ہیں وہ یہ محسوس کرنے لگے گا کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں بااثر اور مضبوط نہیں ہے وہ اپنے مقابلوں کی نسبت خود کو بہت زیادہ کمزور محسوس کرے گا، لیکن وہ خوابوں کے ہیولے تیار کرے گا تو وہاں کی فتح ہوگی، صرف خوابوں کے ہی پناہ میں وہ اپنی کامیابی کا خاکہ تیار کرے گا خود کو فریب دینے کے لیے ہیولے تراشے گا یہی اس کی میراث ہوگی، وہ خوابوں کی وادیوں میں اور زیادہ اترتا چلا جائے گا، حتیٰ کہ یہ اس کے ساتھ بیماری بن کر چمٹ جائے گی، محرومیوں کی ماری ہوئی عورتیں اور ان کے مرد جو پیہم ناکامیوں کا سامنا کرتے رہے ہیں خواب کاری کو افیم کی طرح استعمال کرتے ہیں

اگر آپ کو خواب بُننے کی عادت پڑگئی ہے تو پھر آپ سے یہ بات دریافت طلب ہے کہ آپ کے لیے کیا کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب تو جب ہی دیا جاسکتا ہے، اگر معلوم ہو کہ آپ کی یہ عادت کتنی پُرانی ہے وہ کون سے تجربات تھے جنھوں نے آپ کے اندر اس عادت کو پیدا کیا اور یہ کہ آپ اس سے نجات پانے کے لیے کس قدر متمنی ہیں، ایک چیز تو واضح ہے کہ آپ اس عادت کو دامن جھٹک کر یکبارگی دور نہیں کرسکتے، آپ کو اس کا ٹھوس اپائے

کرنا ہوگا، اس کو کچلنا ہوگا، اور اس پہ قابو پانا ہوگا۔

بہت سے عادی قسم کے خواب بننے والے اس وقت تک اس بدعادت سے نجات نہیں پا سکتے تاآنکہ وہ اپنی عادت کے ان عوامل کا سراغ نہ لگائیں، جنھوں نے اسے جنم دیا اور یہ ان کی لذتیت میں کس طرح سرایت کر گئی، اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی عالم قسم کے ماہرِ نفسیات سے استفادہ کیا جائے جو غیر شعوری ذہن کا پتہ لگاتے ہیں، خاص مہارت رکھتا ہو تاکہ وہ اس میں سے اس کے منبع کا پتہ چلا سکے۔

ڈاکٹر لوائیس ای بش ہمیں ایک چھبیس سالہ عورت کا واقعہ سناتے ہیں جس نے کبھی شادی نہیں کی اور ہمیشہ خود کو ایک ناقابل قبول قسم کی چیز سمجھنے پر مجبور رہی۔

"آپ یہ فرمایئے آپ کیا کرنا چاہتی ہیں" ڈاکٹر بش نے اس سے سوال کیا"

"آپ غالباً میرے ذہنی خوابوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں" عورت نے محجوب انداز میں کہا۔ "وہ بہت سے خواب ہیں اور دور افتادہ قسم کے خواب، جن میں بیشتر شادی بیاہ سے متعلق ہیں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ میں کھانا پکا سکتی ہوں کپڑے سی سکتی ہوں ———— اور بس"

"اور آپ کو پوری طرح علم ہے کہ ان میں سے آپ کوئی کام پسند نہیں کرتیں" ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ "اب ہم یہ سوچیں کہ آپ کے جو خواب

رہیں، ان میں سے کوئی خواب ایسا ہے جسے عملی طور پر شرمندۂ تعبیر کیا جا سکے۔"

جی ہاں، اس عورت کی خواہش تھی کہ وہ کار خریدے، اپنے رقص کے اثر سے لوگوں کو مسحور کرے، اس کی آنکھیں دیکھ کر لوگ اس پر فریفتہ ہو جائیں اپنا وزن پندرہ پونڈ کم کر لے، وغیرہ وغیرہ، اور اس کے علاوہ وہ سوچتی کہ کوئی لمبا تڑنگا خوبصورت اور مالدار آدمی اس سے محبت کرے، پھر اس کی شادی ہو اور وہ ایک خوبصورت گھر بسائے، جہاں اس کی آرام عافیت کے لیے ساری چیزیں مہیا ہوں نوکر چاکر ہوں وغیرہ وغیرہ۔

ان خوابوں میں سے ظاہر ہے کہ کوئی ایسا خواب نہیں تھا جسے فوری طور پر حقیقت میں ڈھالا جا سکتا، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس سے کہا کہ وہ اپنی کمسنی کے ایام کے متعلق کچھ آرزوئیں یاد کرے، جب کہ اس کی عمر کوئی چودہ سے بیس سال تک تھی۔

"ہاں میری خواہش تھی کہ میں لباسوں کی ڈیزائن تیار کرتی" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ ڈیزائنر کیوں نہیں بنیں!" ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا۔

"میرے والدین کے پاس اتنا پیسہ نہ تھا کہ وہ اس کی تربیت کے لیے مجھے اسکول بھیجتے، اور میں خود اس وقت اتنی کم عمر اور ناتجربہ کار تھی کہ میرے لیے اس طرف کوئی عملی قدم اٹھانا مشکل تھا!"

"اگر آپ کے شباب کے عالم میں ڈیزائنر بننے کی واقعی مضبوط خواہش تھی

تو مجھے یقین ہے کہ وہ خواہش اب بھی آپ کے اندر موجود ہے"

"ہاں، مجھے بھی یقین ہے کہ وہ خواہش ابھی میرے اندر ہے" وہ عورت بولی "تعجب ہے میں نے اس کے متعلق پہلے کیوں غور نہیں کیا، اب تو میں اس کی تربیت خود حاصل کر سکتی ہوں، میں فنِ خطاطی کی تربیت حاصل کر کے رہوں گی۔"

اور اس طرح وہ عورت اپنی بھولی بسری آرزو اور خوابوں کو ایک بار واقعی حقیقت میں تبدیل کرنے لیے آگے بڑھی اور اس کی زندگی مسرتوں اور عافیتوں سے معمور ہو گئی، وہ جب تک خوابوں کے نامعلوم جزیروں میں سیر کرتی رہی، اسے محرومیوں کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا تھا، لیکن جب اس نے ایک خاص خواب کو حقیقت بنانے کے لیے تل گئی، تو اسے فتح ہوئی۔

خوابوں اور خیالوں کو قدرت کا ایک بیش بہا عطیہ سمجھنا چاہیے اس کا غلط استعمال انسان کو محرومیوں اور شکست خوردگیوں سے دوچار کرتا ہے، عام قسم کے خواب کار کے ساتھ مصیبت یہ ہوتی ہے کہ وہ الٹے سیدھے بہت سے خواب بیک وقت دیکھ لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کی تکمیل جلد سے جلد ہو جائے وہ اپنی حیثیت اور اہلیت سے زیادہ طاقتوں کا خواب دیکھتا ہے اور اس سے ذرا سے کم طاقت پر بھی اکتفا نہیں کر سکتا۔

مسٹر وانٹا بی بگ کو ٹیک ایک موٹر کی کمپنی میں ملازم ہیں وہ اپنی تنخواہ سے ایک پائی زیادہ کا کام نہیں کرنا چاہتے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ موٹر کی ساخت

اور دوسری قسم کی چیزوں کے متعلق کبھی غور یا فکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے شعبے کے دوسرے علوم سیکھنے کی سعی کرتے ہیں جس سے انکی قابلیت اور صلاحیت میں اضافہ ہو سکتا، ایک دفعہ انھوں نے اپنے شعبے میں ترقی کے لیے درخواست بھیجی، لیکن وہ کسی طرح اپنی جامع صلاحیت نہیں رکھتے تھے کہ ان کو یہ عہدہ پیش کیا جا سکتا۔ وہ اس کی بجائے کہ اپنے اندر زیادہ صلاحیتیں پیدا کرتے اور انھوں نے اُلٹے اپنے حاکموں کو مطعون کیا، سوچتے رہے کہ ایک دن ترقی کر کے وہ اس پوری کمپنی کے افسر بن جائیں گے، اور تب کمپنی کے دوسرے افسروں کو پتہ چلے گا کہ وہ کتنی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔

اس کمپنی میں بگ کو ٹیک صاحب کے ساتھ ہی ایک بائیس سالہ نوجوان نکولس ورسیٹڈ بھی کام کرتا تھا جو دیہات کا رہنے والا تھا اور گرمیٔ عمل سے پوری طرح سرشار تھا۔ نکولس ایک ٹھوس قسم کا مستری ہے، وہ بھی خواب دیکھتا ہے کہ ترقی کرے مگر وہ اپنی موجودہ مشغولیتوں میں پوری طرح گم سو وہ ایک بہتر مستقبل کی تخلیق میں کوشاں ہے اور اپنے شعبے کے معمولی سے معمولی علم کو سیکھنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

نکولس نے اپنے اپنے خوابوں کو اپنے قبضے میں رکھا اور بجائے اس کے کہ تمام خوابوں کو ایک گٹھری کی صورت میں جلد از جلد طلب کرتا، اس نے اپنے قریبی مسائل کو حل کرنا شروع کیا، اسے شکاگو میں کیڈی لک کمپنی کا سروس منیجر بنا دیا گیا اور کچھ دنوں بعد اپنے ٹھوس عزائم کے سبب اس کمپنی کا

نگرانِ اعلیٰ بنا دیا گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ جنرل موٹر کمپنی کا نائب صدر بن گیا اور ابھی پچھلے سال ستاون سال کی عمر میں دنیا کی سب سے بڑی موٹر بنانے والی کمپنی "شیورلٹ" کے ناظمِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہیں اور بگ کوٹیک صاحب ابھی تک ایک مایوس اور نامراد قسم کے مستری کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور ابھی تک یہی خواب دیکھ رہے ہیں کہ وہ اپنی کمپنی کے ناظمِ اعلیٰ بن جائیں گے۔

بیں عقل و دانش بباید گریست

عام طور پر لوگ اپنے معمولی مسائل کو حل کرنے کے لیے بھی ماہرین نفسیات کا سہارا تلاش کرتے ہیں حالانکہ وہ ایسے مسائل کو معمولی عقل دوڑا کر خود بھی حل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ کی زندگی، خیالوں اور خیالوں کے منفی اثرات سے مسخ ہوتی جا رہی ہے تو آپ بے شک اس معاملے میں کسی ماہر نفسیات سے رجوع ہوں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنی مشکلات کا خود سے کوئی اپائے یا تدبیر کریں تو ذیل میں دیئے ہوئے چند سوالات کا اگر ایمانداری سے جواب دیجئے گا تو آپ کے لیے ممد و معاون ثابت ہوگا۔ ہر سوال کو لکھ کر اس کے سامنے لکھیے، آپ کا جواب مبنی بہ حقیقت رہنا ضروری ہے یاد رکھئے کہ آپ یہ کاغذ کسی اور کو نہیں دکھلائیں گے، یہ آپ کا اپنا مسئلہ اور آپ کی اپنی تلاش ہے، اس لیے اس میں فریب سے کام نہ لیجئے۔

ا۔ کیا میں نے زندگی میں کوئی اٹل منصوبہ متعین کیا ہے اور اس کی تحصیل

کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا ہے ؟

۲ : کیا میں نے اپنے مقاصد کی براری کے لیے چار ایسے قدم بھی اٹھائے ہیں جن سے توقع ہو کہ کوئی اعلیٰ مقصد کو حاصل کر سکوں گا ؟

۳ : اگر میں نے ایسے یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تو میں نے واقعی عملی طور پر مجھ سے جو کچھ ممکن تھا، میں نے کر دکھایا ؟ یا میں محض ایک دو بار بدلی سے کوشش کر کے مطمئن بیٹھ رہا۔

۴ : اگر مجھے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں چند دشواریوں یا رکاوٹوں سے دوچار ہونا پڑا ہے تو کیا میں نے ان کے خلاف اجتہاد بھی کیا ہے۔ یا میں خود ساختہ رکاوٹوں کے سامنے ہمت ہار بیٹھا۔

۵ : میں اس وقت جس چیز کو ناممکن کہہ رہا ہوں، کیا میں نے اس چیز کو پورا کرنے کی جان توڑ کوشش کی ہے۔

۶ : اگر میں نے ایسی کوشش کی بھی ______________ تو اس کو کتنا عرصہ گذرا :

۷ : اگر میں ناکام ہوا تو اس کی وجہ کیا تھی : کیا وہ ناکامی کی وجہ میرے دائرہ اختیار سے بالکل بعید تھی : یا میرے اندر اس وجہ سے نبرد آزما ہونے کی ہمت نہیں تھی :

۸ : کیا مجھے اپنے مقصد کی تحصیل کا جذبہ بہت شدید اور گہرا ہے۔

۹ : مجھے پہلے پہل یہ کب یقین ہوا ہے کہ مجھے اپنے مقصد کو حاصل کرنے

کی اہلیت نہیں ہے ؟ (آپ ایمانداری سے جواب دیجئے، کیونکہ اس بات کا بہت خدشہ ہے کہ آپ اپنے جی سے کوئی وجہ نکال لیں)

۱۰: آخر وہ کون سے عناصر تھے جنھوں نے مجھے یقین دلادیا کہ میں اپنے مقصود کو نہیں پاسکتا۔

۱۱: کیا وہ عناصر درست تھے یا میں اپنے ٹھوس انداز سے اگر اپنے مقصود کو پانے کی کوشش کرتا تو ان عناصر کو مغلوب کرلیتا۔

۱۲: کیا مجھے یقین کلی ہے کہ وہ وجوہات درست ہیں ——— یا میری راہ کی دشواریوں میں سے چند ایک دشواریاں ہٹ گئی ہیں ؟

۱۳: اگر ایسا ہے تو فی الواقع میں کس چیز سے خائف ہوں ؟ اور کیوں ہوں اگر میں ہمت کر کے اپنے اس خوف سے ایک بار ٹکر لوں تو کیا کسی تباہی کا خدشہ لاحق ہوگا ؟ یا وقتی طور پر تتر بتر ہو کر ہی سہی مجھے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع مل جائے گا۔

۱۴: کیا دوسروں سے سبقت لے جانے کا خیال مجھے فکر و تردد میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۱۵: اس قسم کے خوف جو میری خواہشات کی تکمیل میں مانع ہیں ، کیا واقعی ان کو تسلیم کیا جا سکتا ہے ، اور ان کی کوئی حیثیت ہے

۱۶: اگر میرے خوابوں کا حاصل مجھے ایک طشت میں سجا کر آج ہی دے دیا جائے تو کیا یہ میرے پرانے اعتقادات کے ساتھ متصادم تو نہ ہوگا۔

میں اسے پورے اعتماد کے ساتھ قبول کر لوں گا؟ ؛ میں ایک دس ہزار ڈالر کمانے والے ایسے شخص کو جانتا ہوں جو پچیس ہزار ڈالر کمانے کے خواب دیکھا کرتا تھا اور جب اسے پچیس ہزار ڈالر کی جگہ مل گئی تو وہ شخص خود کو انتہائی مصیبت میں مبتلا پانے لگا۔ اس نے یہ ملازمت اپنے خود ساختہ بندھنوں کے سبب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۷ : میرے کتنے بندھن ایسے ہیں جو خود ساختہ ہیں ؟ کیا میں ان بندھنوں میں سے بلیشتر کو توڑ نہیں سکتا۔

۱۸ : میں مختلف کاموں کے متعلق کس قدر سوچتا ہوں اور ان کی تکمیل کے لیے ٹھوس قدم نہیں اٹھاتا۔

۱۹ : کتنی دفعہ میں نے ان چیزوں کو آگے بڑھ کر مانگنے سے ہچکچاتا رہا ہوں جو میرے خیال میں میرے حسب منشا تھیں میری دسترس میں تھیں اور جن پر کہ میرا حق بھی تھا ؛

۲۰ : میں اپنے دفتری اوقات کے علاوہ اپنے کام پر کتنا زیادہ وقت اور فکر صرف کرتا ہوں۔ اور اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے راستہ ہموار کرتا ہوں۔

۲۱ : میں اپنے خوابوں کے بارے میں کس قدر باتیں کرتا ہوں کہ میں ایک روز یہ کروں گا، وہ کروں گا، مگر میں کرتا کچھ بھی نہیں صرف باتیں ہی باتیں کرتا ہوں اور یہ باتیں مجھے حقیقت نظر آنے لگتی ہیں ؟

۲۲: کیا مجھ میں صرف بلند و بالا قسم کے خواب دیکھنے کا رجحان ہے یا چھوٹے موٹے خواب بھی دیکھتا ہوں جنھیں میں خصوصاً اپنے عمل کے قریب پاتا ہوں اور بتدریج بڑے بڑے خوابوں کے لیے خود کو تیار کرتا ہوں۔

۲۳: کیا میں بڑی نوکری اور بڑی تنخواہوں کے خواب دیکھتا ہوں؟ اس کے لیے میں اپنے کاروباری اوقات سے زیادہ کچھ وقت صرف کرتا ہوں۔

۲۴: کیا میں ذہنی طور پر صرف وقت نشان لگا رہا ہوں اور اس بات کا انتظار کر رہا ہوں کہ میرے خواب پورے ہوں (مشہور ماہر نفسیات ولیم مالٹن مرسٹن نے تین سو آدمیوں سے پوچھا "آپ کے پاس زندہ رہنے کے لیے کیا ہے"؟ مرسٹن کو یہ معلوم کر کے سخت ذہنی قلق ہوا کہ ۹۴ فیصدی اشخاص اپنے حال میں مست مستقبل کا انتظار کر رہے تھے، وہ انتظار کر رہے تھے کہ فلاں آدمی مر جائے گا، کوئی حادثہ ہو جائے گا کئی دوسرے سال کا انتظار کر رہے تھے، کئی یہ انتظار کر رہے تھے کہ پھر وہ کسی وقت لمبے چوڑے خواب بنیں گے، کئی کل کا انتظار کر رہے تھے حالانکہ وہ اس حقیقت کو فراموش کر گئے تھے کہ اگر کوئی دن ہے تو آج کا دن ہے، کیوں کہ گذشتہ کل گذر چکا ہے اور آئندہ کل کبھی نہیں آیا کرتا۔

آپ کو ان سوالوں کا بڑے غور و فکر کے ساتھ جواب دینا ہوگا اور جب آپ جواب دے چکیں گے تو آپ کو خود بخود محسوس ہوگا کہ اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے

لیے آپ کو ٹھوس انداز سے عملی قدم اٹھانا پڑے گا۔

مندرجہ ذیل چند اقدام آپ کو زندگی کے ٹھوس راستوں کی طرف لے جائیں گے ان سے استفادہ فرمائیے:

پہلا قدم

اگر آپ کے ذہن میں کوئی خواب پیہم دوڑ کر آئے تو اسے گریبان سے پکڑ لیجئے، اس کی شکل و شباہت کا قریب سے مطالعہ کیجئے اور اس کا بھر پور انداز سے جائزہ لیجئے، اگر یہ خواب بہت بڑا اور آپ کی دسترس سے بالا ہے تو اسے کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیجئے، جو آپ کے لیے قابل عمل ہوں۔ اور پھر اپنے ذہن کو ایک ایک ٹکڑے پر مرکوز کر کے دیکھئے کہ کون سا ٹکڑہ ایسا ہے جس پر آپ فوری طور پر عملی اقدام کر سکتے ہیں اگر آپ وزیر اعظم بننے کا خواب دیکھتے ہیں تو آپ کے لیے اس راہ تک پہنچنے کے لیے کئی منازل طے کرنے ہوں گے، اس کے لیے آپکو چھوٹی سے بڑی سیاسی انجمنوں تک بتدریج دھاک بٹھانی ہوگی، آپ اگر اپنے خواب کے ایک ٹکڑے کو سچ کر دکھائیں گے تو آپ میں اور جذبہ اور اشتیاق پیدا ہوگا اور پھر اسی بھرپور انداز سے دوسرے ٹکڑوں کو بھی سچ کر دکھانے میں لطف محسوس کریں گے، کیا آپ خواب دیکھتے ہیں کہ میں لکھپتی ہوتا، تو اس کے لیے پہلے آپ ہزار پتی بنیں، پہلے سو روپے پیدا کیجئے پھر ہزار، پھر اسی

طرح آپ لاکھ بھی پیدا کرلیں گے آپ ایک بار ہی لکھ پتی نہیں بن سکتے دنیا میں اس وقت تک جتنے لکھ پتی لوگ ہیں، سوائے ان کے جنھیں ورثے میں دولت ہاتھ نہ آگئی ہو، اسی طرح، سو اور ہزار سے لکھ پتی بن گئے ہیں ان کے لکھ پتی بننے کے خواب اسی طرح شرمندۂ تعبیر ہوا کئے ہیں تو پھر آپ کو کس بات کا انتظار ہے، آپ بھی شروع کر دیجئے!

دوسرا قدم

کبھی کوئی چھوٹا موٹا خواب نہ دیکھئے، مگر آپ دل میں ٹھان لیجئے کہ اپنے خواب کو پوری طرح یا ٹکڑوں میں اپنے بھرپور عمل اور جدوجہد سے شرمندہ تعبیر کریں گے، اگر آپ کے پاس ایسے خوابوں کے انبار ہیں اور جن کو پورا کرنے کیلئے آپ نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا تو ان خوابوں کو ہنس کر مذاق میں اڑا دیجئے اور ان کی جگہ ایسے خوابوں کو بحال کیجئے جو آپ کے قبضۂ اختیار میں ہوں، پھر آپ ان خوابوں کو حقیقت میں منتقل کرنے کے لیے عملی کام کیجئے، اپنے آپ کو محض دل خوش کن تصورات سے نہ پھسلایئے

نیویارک میں سام برسکن نام کا ایک سولہ سالہ لڑکا کسی دور افتادہ مقام سے منتقل ہو کر آیا، اس نے ایک جگہ کارخانے میں ملازمت کی درخواست بھیجی، فورمین نے بلا کر اس سے کہا "پانچ ڈالر ہفتہ ملیں گے" لڑکے نے کہا، میں اسی وقت کام کرنے کو تیار ہوں" اس نے خواب و خیال میں

سوچنا شروع کیا کہ وہ خود اپنا کارخانہ کھولے گا اور چنانچہ اس نے اس ملازمت سے حاصل کیئے ہوئے پیسوں کو جوڑنا شروع کر دیا، پھر ایک روز شکاگو میں اس کی ملاقات اپنے ایک دوست کی بہن بلیٹی پروسک سے ہوئی "جب میں نے اس لڑکی کو پہلی دفعہ دیکھا، سام کہتا ہے" تو میں نے اس سے شادی کی ٹھان لی" اور واقعی اس کی شادی اس لڑکی سے ہو گئی اور اس نے اسے اپنا خواب بتایا کہ وہ اپنا ذاتی کارخانہ کھولنا چاہتا ہے اس لڑکی نے بھی خواب دیکھنا شروع کر دیا کہ وہ ایک روز کارخانے دار کی بیوی ہو گی اور وہ اس کے ساتھ ہزاروں اور لاکھوں میں کھیلے گی اور سارے مزدور اس کے ماتحت ہوں گے لیکن سام کی راہ میں کچھ رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں ایک دفعہ تو ڈاکٹروں نے اس سے کہہ دیا کہ وہ چھ ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہیگا آخر ۱۹۲۳ء میں سام نے اپنا ذاتی کارخانہ کھول دیا اور آلہ حرارت کی ایک کثیر تعداد اس کے ہاں بننے لگے، اس نے موٹر کے لیے گرمی کش انجن تیار کیئے اس نے شکاگو میں ریور کمپنی کے نام سے فوڈ کیمر سے اور پرو جیکٹر تیار کرنے لگا، یہ کمپنی آج عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہے، اس کے ملازمین عمدہ اور معقول تنخواہوں پر اس کی فلاح و بہبود کے لیے انتھک کام کر رہے ہیں وہ اپنے مالک سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، سام نے اپنے اتنے بڑے خواب کو آہستہ آہستہ ٹھوس اور محکم عمل سے کام لے کر پورا کیا تھا اسی جیسے لاکھوں اور انسانوں نے اسی طرح اپنے بلند و بالا خوابوں کو پورے کر کے دکھایا ہے

تو آپ کو کس چیز کا انتظار ہے۔ بسم اللہ

تیسرا قدم

اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ ذہنی خواب کاریاں ہرے بھرے مرغزاروں میں چوکڑیاں بھرنے والے ہرن کی مانند ہیں اسے خوب غور سے دیکھئے اسے پکڑ لیجئے اور اس کے گلے میں رسی ڈال کر قابو کیجئے، دنیا کے تمام بڑے بڑے لوگوں نے قابو کر کے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اور زندگی کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے ہیں، کیا آپ نے بھی اپنا حصہ ان نعمتوں سے طلب کیا ہے؟ کیا آپ نے ان نعمتوں کو حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ہے؟ کیا آپ نے اس معاملے میں ضروری عملی کارروائی کی ہے۔

چوتھا قدم

فضول اور لایعنی طور پر خواب دیکھنا ایک دلچسپ عادت بن جاتی ہے آپ کے ذہن میں جب ایسے خواب تیر رہے ہوں، آپ کے لیے لازم ہے کہ ہر خواب کے پاس رک کر ذہنی طور پر انہیں پرکھیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے کا کس قدر امکان ہے: اگر کوئی امکان نہیں ہے تو اسے ذہن سے نکال کر پھینک دیجئے، آپ بیک وقت ذہن میں صرف ایک ہی خواب رہنے دیں، آپ ان خوش آیند تصورات کو ہٹا دیں، ان میں نہ کھوئے رہیں بلکہ ان کی عملی تدابیر کی جانب دھیان دیں ان تصورات پر مسکرائیے اور انہیں نرم یا براہ راست تقاضت لہجے میں جون سا لہجہ آپ کو پسند ہو، ان

سے براہ کرم کہہ دیں کہ آپ کسی زیادہ اہم مسائل کو سوچنے میں مصروف ہیں، اور ان تصورات کی طرف نظر نہیں کر سکتے، آپ ان کی پذیرائی نہ کیجیے، جب یہ ننھے اور معصوم خیالی ہیولے آپ کے دروازے پر دستک دیں تو ان سے صاف لفظوں میں کہیئے کہ آپ نے فی الحال ایسے منصوبوں کے ساتھ معاملہ کر لیا ہے جن میں عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور آپ ان کو اپنے ذہن کے نگارین خطوں کی سیر کی اجازت نہیں دیں گے، ان سے آپ ذہن کے دروازے کے پاس جا کہ ملئے اور پوچھئے "فرمایئے کوئی عملی قسم کی پیش کش ہے" "نہیں؟" "تو پھر تشریف لے جایئے روانہ ہو جایئے، اب اور اسی وقت!" کیا آپ اسے حماقت پر محمول کریں گے؛ جی نہیں! یہ چیز آپکو لاحاصل اور فضول قسم کے خواب بننے کی بُری عادت سے باز رکھے گی، اس عادت سے واہیات کوئی عادت نہیں!

پانچواں قدم

ذہن نشین کر لیجیئے کہ اگر واقعی کوئی خواب بننے کے لائق ہے تو وہ اس قسم کا خواب ہے جس کی تعبیر کے لئے آدمی عملی تدابیر اختیار کر سکے ورنہ سارے خواب بیکار ہیں۔

۱۳

زبانِ شیریں ملک گیریں

مجھ سے اگر پوچھا جائے کہ تمام لغت میں سب سے زیادہ اہم لفظ کون سا ہے، تو میں عرض کروں گا یہ لفظ توصیف ہے اگر صحیح طور پر سمجھا اور قطعیت کے ساتھ استعمال کیا جائے تو لفظ توصیف تمام لفظوں میں سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ موثر اور اس کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ غیر مستعمل اور سب سے زیادہ مطعون ہے، میں تمام قارئین کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایک متوازن اور پرسکون زندگی کے لیے اس سے زیادہ قوت کا لفظ ڈھونڈ کر دکھا دیں۔

اگر آپ کو قدر شناسی کا مکمل شعور حاصل ہو جائے تو آپ زندگی کی بڑی سے بڑی گردش کو ٹال سکتے ہیں آپ اپنے عروج پر اڑ کر پہنچ سکتے ہیں اور تمام آرزوں کی تکمیل کر سکتے ہیں اگر آپ کو قدر شناسی حاصل ہو جائے تو ایک عالم آپ کا غلام بن سکتا ہے، آپ کے اشاروں پر ناچ سکتا ہے، اس ایک لفظ کے وسیع اور ہمہ گیر پھیلاؤ میں، بہتر اعتماد، عظیم توقعات اور سحر انگیز شخصیت کے تمام ضروری اجزا

موجود رہیں۔

آپ کی سب سے گہری تشنگی آپ کی قدردانی میں مضمر ہے، اس کے بغیر آپ کی تمام بنیادی آرزوئیں فی الواقع بے معنی رہیں، قدردانی کے بغیر آپکو نہ کھانے میں لطف حاصل ہوگا نہ پینے میں، نشاط اور نہ پناہ میں عافیت، اس کی تشنگی جب تک فرو نہیں ہوتی، آپ کے سماجی مقبولیت کی آرزو محبت کی پرسکون زندگی کی آرزو اور اپنے احساس توقیر کی آرزو پوری طرح بارآور نہیں ہو پائے گی، یہ قدردانی ہی ہے جو زندگی کو صحیح معنی بخشتی ہے، آپکو قدردانی دوسروں ہی سے مل سکتی ہے اور اپنی زندگی کو تازہ دم رکھنے کیلئے آپکو یہ حاصل کرنا ضروری ہے یہ خواہشات کے لیے غذائیت کی چیز ہے اور اسے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دوسروں کے قدردان بنیں، کیونکہ دوسرے لوگ بھی قدردانی کے اسی قدر بھوکے رہیں جتنے ہم اور آپ!

قدردانی میں ایک سحر کی سی قوت پنہاں ہے۔

یہ محض ایک لفظ ہی نہیں ہے، اگر آپ اسے چاہیں تو معجزہ بنا سکتے ہیں

یہاں پھر ہمیں مثبت اور منفی کی کشاکشوں سے واسطہ پڑتا ہے، براہ کرم آپ قدرشناسی کے مثبت طریقوں کو نوٹ کر لیجیئے اور اس کے ہم معنی الفاظ کو بھی نوٹ کر لیں مثلاً تعظیم، اندازہ، قدر، قیمت، تعریف وغیرہ اس کے ساتھ ہی ان کے منفی ضدیں الفاظ کو بھی نوٹ کر لیجیے، مثلاً تحقیر، تذلیل، استہزا، غلط اندازہ، حقارت، کم قیمتی، وغیرہ وغیرہ۔

مجھ میں آپ میں اور ان تمام لوگوں میں جن سے ہمیں واسطہ پڑتا رہتا ہے قدر دانی اور قدر شناسی کی بڑی گہری خواہش ہوتی ہے اور ہم ٹھوس طریقے سے اپنی قدر دانی کا ثبوت چاہتے ہیں، ہم صرف عمل حاضرات بن کر نہیں رہنا چاہتے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے متعلق اپنی عقیدت اور اپنی متشکرانہ جذبوں کا کھلم کھلا اظہار کریں، محض دل ہی دل میں ہماری خوبیوں کو نہ سراہیں بلکہ الفاظ میں ہمارے سامنے بیان کریں اپنی عقیدت اور قدر دانی کے جذبے کی نمائش کے لیے ضروری ہے کہ ہم واقعی لفظی اور عملی طور پر اس کا اظہار کریں، خود ستائی محض وقتی چیز ہوتی ہے ہم دوسروں سے ہر وقت قدر دانی کے متمنی ہوتے ہیں، ہمیں اس کو حاصل کرنے کے لیے زندگی اور عمل کا ایسا اصول مرتب کرنا چاہیئے کہ دوسروں کی تحسین و تعریف و قدر شناسی ہماری عادت بن جائے۔

عظیم شاعر ہیلن ہنٹ جیکسن کے دل سے کیا پُر اثر اور پُر درد الفاظ نکلے تھے کہ:-

اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اس کو اپنی زبان سے ادا کرو کہ ہاں
تم مجھ سے محبت کرتے ہو ورنہ غرضی خامشی تو قبر تک محیط ہے!

یہ الفاظ "اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو اس کو اپنی زبان سے ادا کرو" آج لاکھوں اور کروڑوں دلوں کی آواز ہے ——— رہا ہے:

ظاہر ہے کہ ہم زید اور بکر کے پاس جا کر نہیں کہہ سکتے کہ "میاں میری تعریف کرو"، بلکہ آپ ان میں اس پر اثر انداز میں اکسا سکتے ہیں کہ جہاں کہیں مو

پڑے، آپ ان کی تعریف کریں، ممکن ہے بعض دفعہ آپکے توصیفی کلمات دوسرے کے دل میں اتنی جلد اثر نہیں کر سکتے کہ آپ کو اس کا بدل فوراً مل جائے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس شخص کا حجاب ٹوٹ جائے گا اور وہ بھی آپ کے ساتھ فیاضانہ طور پر قدر شناسی کا اظہار کرے گا۔

آج کل کے زمانے میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ قدر دانی کے جذبے کا اظہار ایک عام خوف بن گیا ہے۔ کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس سے اپنی خودی یا خود پسندی کے احساسات کو صدمہ پہنچتا ہے، مگر اس قسم کے خوف کی کوئی بات نہیں، قدر شناسی عمدہ شخصیت کے جھڑے ہوئے پھول ہیں، جس شخص کے دل میں ملاحت نہیں ہے جس کی عقل میں بالیدگی نہ ہو اور جس کے جذبات متوازن نہ ہوں وہ قدر شناسی کا اظہار نہیں کر سکتا۔

لیکن اس کے باوجود بہت سے لوگ اس خواہش کے باوجود کہ ان کی خوبیاں دوسروں کے سامنے آئیں یا وہ اپنی خوبیوں کا اظہار کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں، جیمس الیرج ایک ایسا ہی واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک روز ایک صاحب کا بچہ بری طرح بخار میں بھن رہا تھا، ان کی بیوی میکے گئی ہوئی تھیں اور اس لیے بچے کی تیمار داری کرنے والا گھر میں کوئی نہ تھا وہ صاحب بہت پریشان تھے کہ کیا کیا جائے، اگر وہ دوا دارو لانے جاتے ہیں تو بچہ اکیلا رہ جاتا ہے اور اس حالت میں بچے کو اکیلا چھوڑ کر جانا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا، وہ صاحب بے حد پریشان تھے کہ کیا کریں، اتنے میں

دروازے پر دستک ہوئی اور ان کی ایک پڑوسن لیڈی ڈاکٹر ساتھ ہی والے مکان میں رہتی تھیں، ان کے ہاں آئیں اور بولیں "کیا بات ہے آپ کا بچہ بیمار ہے؟ خیر آپ فکر نہ کیجئے، آپ یہیں بیٹھئے میں اس کے لیے دوا لاتی ہوں خاتون نے بچے کا معائنہ کیا اور کہا، کہ اسے سینے پر لیپ چڑھانا چاہیئے یہ کہہ کر وہ اپنے گھر لیپ تیار کرنے چلی گئیں وہ صاحب سمجھے کہ اب وہ واپس نہیں آئیں گی، لیکن خاتون تھوڑی ہی دیر بعد لیپ تیار کر کے لائیں۔ اور رات بھر بچے کے سینے پر لیپ چڑھاتی رہیں اور صبح کو بچے کو غیر معمولی افاقہ ہو گیا، جب وہ خاتون گھر جانے لگیں، وہ صاحب بولے۔

"میں آپ کو اس خدمت کا کیا معاوضہ ادا کروں!"

" خاتون نے ان کی طرف بڑی حقارت کے ساتھ دیکھا اور بولیں" مجھے ایک دھیلہ نہیں چاہیئے، کیا پڑوسی کا کوئی حق نہیں ہوتا" اس کے بعد انھوں نے تڑاخ سے دروازہ بند کیا اور باہر چلی گئیں۔

لیکن وہ صاحب اس لیڈی ڈاکٹر کے سلوک کو نہیں بھولے وہ بھی اب ایسے موقع کی تلاش میں تھے، جب وہ اپنی قدر شناسی کا اظہار کرتے۔

اور ایک سرما کی کہر آلود صبح کو اس کے اظہار کا موقع آہی گیا، اس وقت درجہ حرارت۔ صفر سے بھی کم تھا۔ انھوں نے اپنے دریچے سے جھانک کر دیکھا کہ ان کی پڑوسن لیڈی ڈاکٹر اپنی کار کو اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن ہزار کوشش کے باوجود ان سے کار اسٹارٹ ہونے میں نہیں آرہی تھی۔

وہ صاحب جلدی سے نیچے اُترے، اپنے گیراج میں گئے اور اپنی کار باہر نکال کر لیڈی ڈاکٹر کے پاس پہنچے اور لیڈی کی کار کو رسے سے اپنی کار میں باندھ کر اپنی کار اسٹارٹ کر دی، ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ لیڈی ڈاکٹر کی کار کا انجن کام کرنے لگا، صاحب نے اپنی رسی کھول دی اور کار لے کر واپس گھر لوٹ آیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح وہ لیڈی ڈاکٹر، ان صاحب کے ہاں آنازل ہوئیں۔

"میں آپ کو کل کی زحمت فرمائی کا کیا معاوضہ ادا کر سکتی ہوں"

"مجھے ایک دھیلا نہیں چاہیئے" وہ صاحب ان کے الفاظ بولے "کیا پڑوسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔"

"خیال تو میرا بھی یہی ہے" خاتون بولیں اور نرم مسکراہٹ کے ساتھ گھر لوٹ گئیں۔

ٹھوس اور مثبت قسم کی قدر شناسی اور قدر دانی کا اکثر و بیشتر بدل مل جاتا ہے، بفرض محال اگر بدلہ نہیں بھی ملتا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنی قدر شناسی کے جذبے کو ترک کر دیں، ہمیں آج سے سیکڑوں سال پہلے کے فلسفی مرکس آریلیس کے طریقہ کار کو اپنانا چاہیئے، مرکس نے ایک دفعہ اپنے جریدہ میں لکھا تھا "آج پھر مجھے ایک بے مروت اور ناشکر گذار انسان سے واسطہ پڑے گا جو بہت زیادہ باتیں کرتا ہے ایسے لوگوں کی یہی خاصیتیں ہوتی ہیں۔ مجھے ان سے کوئی تعجب یا ملول نہیں ہونا چاہیئے۔"

ہم دوسروں کے متعلق اگر اپنے اندر کوئی قدر پاتے ہیں تو ہمیں دوسروں کو اس کے متعلق بتانے میں باک نہیں ہونا چاہئے، آپ یہ جان لیجئے کہ دوسرے بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ آپ کے دل میں ان کے لیے کس قدر قدر و منزلت ہے بعض مردوں کی بیویاں خدا کے فضل سے ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے لبوں پر ایسے کلمات نہیں آتے، میں آپ سے محبت کرتی ہوں، آپ بہت نیک اور مہربان ہیں، آپ بڑے سخی دل ہیں۔

یہ خاموش اور پُر استقلال مرد ممکن ہے اپنی بیویوں اور بچوں کے لیے جان دے دیں مگر بیوی یا بچے ان کے جان دے دینے کو اتنی اہمیت نہیں دیں گے وہ اہمیت تو ان زبانی الفاظ کو دیں گے، ان کی زندگی کو مسرت اور انبساط سے معمور کر دیں گے۔

ہمیں اس طرح زندگی گذارنی چاہئے کہ آگے چل کر ہمیں ڈیوڈ گرے سن کی طرح کفِ افسوس نہ ملنا پڑے، گرے سن نے ایکبار کہا تھا: "جب میں پلٹ کر پچھلی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے صدمہ ہوتا ہے کہ جب کبھی میں نے لوگوں کو پیار کیا، میں نے اس کا زبان سے کبھی اقرار نہیں کیا۔"

دنیا میں ہر شخص قدرشناسی کے لیے متمنی رہتا ہے خواہ وہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، امریکہ کے صدر ولسن کے پرائیویٹ سکریٹری جوزف پی ٹولمٹی نے وائٹ ہاؤس کا ایک ایسا قصہ بیان کیا، جب صدر ولسن اپنی ترقی کے عروج پر تھے ایک ... دور دراز مغربی علاقے کے ایک غیر معروف اخبار کے ایک غیر معروف

ایڈیٹر نے صدر ولسن کے خط کے ذریعہ کسی کامیابی کے لیے مبارک باد دی ٹوملٹی نے بتایا ہے کہ جب صدر ولسن نے یہ الفاظ کہے تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے" یہ ہے وہ شخص جو صحیح معنوں میں جانتا ہے کہ میں کیا کر رہا ہوں"

ہم اپنے لطف وکرم کا اظہار قدر شناسی کے ذریعہ ہی کر سکتے ہیں بعض دفعہ ہم اس اظہار کے لیے کوئی اہم قسم کی تقریب چاہتے ہیں حالانکہ ہم روزمرہ زندگی میں چھوٹی موٹی باتوں پر ہی اپنی قدر شناسی کا ثبوت دے سکتے ہیں اور اُن سے بلا اندازہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

ایک شخص جو اپنے تمام مایوس کن حالات سے بددل ہو کر شراب نوشی اختیار کرنے لگا تھا اس نے بڑے اعتماد سے کہا وہ اس زندگی سے موت کو ترجیح دے گا، وہ شخص اپنی بیوی بچوں کے لیے ہر قسم کی آسائش اور عافیت مہیا کرنے کے لیے دن رات کوشاں رہا۔ اس نے انھیں موٹر، مکان اور دیگر عافیت بخش چیزیں مہیا کیں مگر وہ اسے ہمیشہ محض ایک چیک کی کتاب سمجھتے رہے جو روپیہ حاصل کرنے کا ایک بہانہ ہو۔

"ان کے ہاتھ ہمیشہ میرے سامنے پھیلے رہتے ہیں مگر میں نے سال میں ایک دفعہ بھی ان میں سے کسی کو اپنی تعریف میں ایک توصیفی کلمہ کہتے ہوئے نہیں سنا، کیا ان میں سے کوئی ایک بار —— محض ایک بار —— صرف ایک بار مجھ سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ پاپا آپ کتنے اچھے ہیں"

آپ اپنی قدر شناسی کے اظہار کے لیے کسی تقریب کا اہتمام نہ کریں ذرا

زندگی تابندگی

ذرا سی چیزوں ہی کے ذریعہ آپ اس کا ثبوت دے سکتے ہیں، اس جذبے کو ایک شاعر نے اپنی نظم میں بڑی خوبصورتی سے رقم کیا ہے اس کا عنوان "ذرا ذرا سی چیزیں" ہے اور میں نے یہ نظم اپنی والدہ کی انجیل میں رکھی ہوئی دیکھی تھی:

اگر اک میرا ذرا سا لفظ
کسی زندگی کو روشن کر دے
اگر اک میرا ذرا سا گیت
کسی دل کا بوجھ ہلکا کر دے
خدا مجھے توفیق دے کہ میں وہ ذرا سے الفاظ ادا کر سکوں
میں اپنے ننھے گیتوں کو
کسی تنہا وادی میں جا کر ڈال دوں
جو صدا گونجتے رہیں

•

اگر میری ذرا سی محبت
کسی زندگی کو زیادہ حسین بنا سکتی ہے
اگر میری اک ذرا سی مدد
میرے کسی دوست کے کام آ سکتی ہے
اگر میری اک ذرا سی مدد
کسی کے بوجھ کو ہلکا کر سکتی ہے

تو خدا مجھے وہ طاقت، وہ محبت اور قوت عطا کرے
تاکہ میں اپنے بھائیوں کے کام آسکوں۔

•

لہٰذا

اگر آپ انھیں چاہتے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے
اگر آپ انھیں پسند کرتے ہیں تو ان سے کہیئے
اگر آپ اس کی قدر کرتے ہیں تو ان سے اقرار کیجئے
اور اس طرح کہئے کہ آپ سچ مچ یقین سے کہہ رہے ہوں

•

چارلز شواب اگر لوگوں کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش نہ کرتے تو وہ غالباً لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے آدمی کبھی نہ ہوتے، وہ قدرشناسی کی آرزوؤں کو بخوبی جانتے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے "اپنی خوشنودی میں دریا دل بنیں اور دوسروں کی دل کھول کر تعریف کریں۔

لطف و کرم قدرشناسوں کے دلوں سے پھوٹتی ہوئی ایسی کرنیں ہیں جو شکست خوردگیوں اور تحقیر کی تمام بیماریوں کو پاک کر دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بندگانِ لطف و کرم کی ایک دنیا ممنونِ احسان ہوتی ہے اور ہمیشہ اس کے اس نرم دلی کے بوجھ تلے دبی ہوتی ہے، ملایا کی ایک ضرب المثل ہے کہ سونے چاندی کا قرض تو انسان ادا کر سکتا ہے لیکن انسان مر کر بھی کسی کی مہربانی کا قرضہ نہیں اتار سکتا۔

قدر آمیز قسم کا سلوک کائناتی محبتوں کا ایک گراں مایہ سبق ہے اور اخلاق کا سب سے اولین فرض ہے انگلستان کے مشہور شاعر رابرٹ براؤننگ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے، ایک دفعہ ان کے لڑکے نے، جو مصور تھے اپنی تصویروں کی نمائش کی ایک دفعہ اپنے لڑکے کی غیر حاضری میں رابرٹ براؤننگ نے چند مقتدر مہمانوں کا استقبال کیا جو تصویریں دیکھنے آئے تھے، اور انہیں بہت دیر تک اپنے لڑکے کی تصویر دکھاتے رہے، تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی غیر معروف سی خاتون تصویریں دیکھنے کی غرض سے آئیں ہیں، رابرٹ براؤننگ، سبھوں کو چھوڑ کر دروازے کی طرف گئے اور اس نووارد خاتون کی پذیرائی کی۔

نووارد خاتون رابرٹ براؤننگ کو دیکھ کر سخت سراسیمہ سی ہو گئیں جب رابرٹ براؤننگ نے مصافحے کیلئے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو خاتون لکنت کے ساتھ بولیں:-

"اوہ معاف کیجیئے گا جناب..... مہربانی جناب... میں حضور کی خادمہ ہوں اور باورچی خانے کی دیکھ بھال کا کام میرے سپرد ہے، مجھے آپ کے صاحبزادے نے آج اپنی تصویریں دکھانے کے لیے بلایا تھا۔"

"مجھے آپ کی آمد سے بے انتہا مسرت ہوئی، اس عظیم المرتبت شاعر نے پرتپاک مسکراہٹ کے ساتھ کہا" آپ میرا ہاتھ تھام لیجیئے، میں آپکو تمام تصویریں دکھاتا ہوں۔"

دلوں کے معاملات کو سمجھنے والے ایک اور صاحب لوئیس بی میئر ہیں، آپ ہالی ووڈ کے فلمی دنیا کی ایک بڑی ممتاز شخصیت ہیں اور ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بڑے سخت مزاج آدمی ہیں لیکن سینما کالونی میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں معلوم ہے کہ جب مشہور ایکٹرس میری ڈرزلر صاحب فراش ہو کر تقریباً بستر مرگ پر پڑی تھیں، مسٹر میئر روزانہ انھیں دیکھنے جاتے تھے، ان کی مایوسیوں کو ختم کرنے اور ان کی جگہ زندگی کے خوش آئند تصورات کو بحال رکھنے کے لئے مسٹر میئر روزانہ اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی فلمی مسودہ لے جاتے اور اس پر ان کی رائے طلب کرتے اور کہتے کہ بس آپ جیسے ہی اچھی ہو جائیں گی، ہم اس فلم پر کام شروع کر دیں گے، میئر صاحب کو اچھی طرح علم تھا کہ میری کے بچنے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی، لیکن وہ اپنی تمام مصروفیتوں کے باوجود اپنی نیک دلی کے اظہار کے لیے وہ روزانہ وقت نکال ہی لیا کرتے تھے۔

کوئی انسان کتنے ہی بڑے مرتبے کا کیوں نہ ہو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ہجوم میں وہ خلط ملط ہو سکتا ہے لیکن وہ انسان جو مرتبے کے ساتھ ساتھ نیک اور نرم دلی کا بھی وصف رکھتا ہے اسے کسی ہجوم میں پہچان لینا کوئی دقت آزما بات نہیں ہوگی، یہ بات سر بارٹلے فریر پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہے جس زمانے میں بارٹلے صاحب بمبئی کے گورنر ہوتے تھے، ایک روز ان کی بیگم صاحبہ اپنے ملازم کے ساتھ اپنے شوہر کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر پہنچیں، اسٹیشن پر لوگوں کا ایک کثیر ہجوم تھا، انھوں نے اپنے ملازم سے جا کر کہا کہ جا کر بارٹلے صاحب

کو لاؤ۔

"لیکن میں تو انھیں نہیں پہچانتا" ملازم نے کہا۔

"بس تم جا کر کسی لمبے آدمی کو دیکھو، وہ ضرور کسی نہ کسی کا ہاتھ بٹا رہا ہوگا"

بیگم بولیں۔

ملازم شناخت کی اور کوئی نشانی لیے بغیر اس ہجوم میں غائب ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد اس نے ایک لمبے سے آدمی کو دیکھا جو ایک عمر رسیدہ خاتون کو ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے نیچے اُتار رہا تھا: ملازم سربارملے کو شناخت کر چکا تھا۔

قدر افزا قسم کے حسن سلوک میں اس قدر اثر ہے کہ مارک ٹوین جیسے عالمگیر ادبی شہرت کے انسان نے بھی اسے محسوس کیا، مارک ٹوین نے اس حسن سلوک کو ایک ایسی زبان سے تعبیر کیا ہے، جسے اندھے اور بہرے بھی پڑھ اور سن سکتے ہیں مشہور اداکارہ سارا برن ہارٹ اس زبان سے بخوبی واقف تھیں، انہوں نے اپنے مکان کے ایک علیحدہ کمرے میں ایک میز پر روپوں سے بھرا ہوا مرتبان رکھ چھوڑا تھا، ایک دن ایک مہمان نے جو دوسرے مہمان کے ساتھ وہاں دعوت میں آیا ہوا تھا، کیا دیکھا کہ رخصت ہوتے ہوئے مہمانوں میں سے بعض مہمان خاموشی سے اس مرتبان کی طرف جاتے اور اس میں سے رقم نکال کر جیبوں میں رکھ لیتے وہ مہمان اس معاملے پر بڑا متعجب ہوا اور جب سب لوگ جا چکے تو اس نے سارا برن ہارٹ سے اس مرتبان

کے متعلق پوچھا

"میرے جتنے دوست ہیں ان میں جو لوگ ضرورت مند ہیں انھیں معلوم ہے کہ مرتبان ان کے لیے رکھ دیا گیا ہے" ہنک ہارٹ نے کہا" وہ جانتے ہیں کہ مرتبان وہاں کیوں رکھا ہے، اسی طرح میں ان کی مدد کرتی ہوں اور وہ اس مدد کو مانگنے کی ندامت کے بغیر قبول کر لیتے ہیں۔

اس قسم کے حسن سلوک کی ایک اور عمدہ مثال والٹر پی پٹکن نے دی ہے تو اوا شہر میں ایک صاحب وانگ ہوپ' ایک ہوٹل اور برتنوں کی کی دکان چلا رہے تھے، اتنے میں جنگ چھڑ گئی اور شہر کی بیشتر آبادی جن میں نوجوانوں کی اکثریت تھی، فوج میں بھرتی ہو گئی، شہر کا ہر آدمی برتنوں اور ہوٹل کے سلسلے میں وانگ ہوپ کا مقروض تھا اور یہ بات واضح تھی کہ اس سے وانگ ہوپ کو شدید نقصان پہنچنے کا خدشہ تھا، لوگ حیران تھے کہ وانگ ہوپ کے رقومات کی بازیابی کی کیا صورت ہوگی۔

وانگ ہوپ نے اپنے دوستوں اور گاہکوں کو ایک الوداعیہ کھانے کی دعوت دی، شہریوں کا خیال تھا کہ اس طرح وانگ ہوپ اپنے گاہکوں کو خوبصورت طریقے سے قرض ادا کرنے کا اشارہ کرے گا، مگر نہیں وانگ ہوپ نے ایسا نہیں کیا۔

کھانا بڑے اہتمام کے ساتھ کھلایا گیا، جب دعوت ختم ہوئی تو وانگ ہوپ صدر دروازے پر جا کھڑا ہوا اور ہر رخصت ہونے والے مہمان سے مصافحہ

کرنے لگا، وہ جن جن سے مصافحہ کرتا، ان کے ہاتھ میں چپکے سے پانچ ڈالر رکھ دیتا اور انھیں الوداع کہہ دیتا۔

ایک ملازم نے وانگ ہوپ سے کہا "یہ آپ کیا کر رہے ہیں وہ سارے لوگ آپ کے مقروض ہیں اور ان پر ایک کثیر رقم کی ادائیگی واجب ہے' اگر آپ نے ان سے رقم کا مطالبہ نہیں کیا تو آپ کا دیوالہ نکل جائے گا، آپ ہر شخص کو الٹے پانچ ڈالر بانٹ رہے ہیں"۔

"اس سے میرا چہرہ چمک اٹھتا ہے" وانگ ہوپ نے جواب دیا،

آپ نے ایسا کوئی کام کیا ہے جس سے آپ کا چہرہ چمک اُٹھا ہو۔

کوئی کام نہیں کیا؟

کیوں؟

کیونکہ آپ کی کسی نے قدر نہیں جانی، امریکہ کے جرائم کے مشہور ترین وکیل سیموئیل لیوٹنز نے اٹھتر انسانوں کو برقی کرسی پر پھانسی لگنے سے بچایا تھا لیکن آج تک ان میں سے کسی نے انھیں کرسمس کارڈ تک بھیجنے کی زحمت گوارا نہیں کی، آرٹ کنگ نے جنگ کے بعد نشریات کا ایک ادارہ قائم کیا، جس میں ڈھائی ہزار جنگ سے لوٹے ہوئے سپاہیوں کے لئے ملازمت کا انتظام کیا اور ان میں سے ہر سپاہی کو سالانہ بارہ ہزار ڈالر ملتے تھے مگر ان میں سے صرف دس سپاہیوں نے ان کے احسانات کا اعتراف کیا نزار تھ سے ایک صوفی امریکہ میں تشریف لائے تھے' انھوں نے دس کوڑھیوں کو

اچھا کر دیا، مگر ان میں سے ایک نے بھی اُن کا شکریہ ادا نہیں کیا۔

آپ دوسروں سے قدر کی توقع نہ کیجئے، آپ دوسروں کی قدر کیجئے قدر کے بھوکے دل کو قدر شناسی کی روٹی دینے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا؟ یہ آپ کو ایک ٹھوس زندگی کے حصول میں مدد پہنچائے گا۔ یہ آپ کے چہرے کو روشنی بخشے گا!

•

۱۸

دُنیا کی عظیم ترین شے

دنیا کی عظیم ترین شے یقین ہے ——— اور قطعیت اسے ورثے میں ملی ہے، دنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے منفی یقین سے تعبیر کیا جائے، ہر چند یہ کسی دانا شاعر کا فرمودہ ہے لیکن دنیا میں ایسی کوئی منفی تاریکی نہیں جو یقین کی ٹمٹماتی ہوئی مدہم سے مدہم لو کو بجھانے کی قوت رکھتی ہو۔

اچھا تو دنیا کی عظیم ترین چیز کیا ہے ——— ہم اسے کس طرح الفاظ میں رقم کریں گے۔

• بزرگوں کا کہنا ہے کہ جہاں علم کا کام ختم ہو جاتا ہے وہاں سے یقین کا کام شروع ہوتا ہے •

ولبسٹر کی لغت میں اس کے معنی یہ دیئے گئے ہیں "روحانی حقیقتوں اور اخلاقی قوانین کی شناخت جو اعلیٰ اور برتر قدروں کے حامل ہوں"

انجیل مقدس میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے "یقین اُن چیزوں کا نچوڑ ہے

جو سوچی جائیں مگر دیکھی نہ جائیں"

دنیا کے عظیم ترین پادری جان ولزلی نے اپنے ایک دوستوں کی محفل میں یقین کے معنی دریافت کیے، جب کسی نے اُن کے حسب منشا جواب نہیں دیا تو وہ ایک خاتون کی جانب رجوع ہوئے جو بڑی متقی اور پرہیز گار شخصیت رکھتی تھیں۔

"یقین کیا چیز ہے؟" انھوں نے خاتون سے سوال کیا۔

انھوں نے بڑی سادگی سے جواب دیا "خدا کو اس کے کہے پر مان لینا"

اُن تعریفوں یا دوسری تعریفوں میں آپ جسے چاہیں اپنا لیں، آپ اسے خواہ محسوس کریں یا نہ کریں لیکن آپ کی روزمرہ کی زندگی اور عمل کا بنیادی محرک یقین ہی ہے، اس چیز میں یقین کہ آپکے موٹر کا اسٹارٹر کام کرے گا اس چیز میں یقین کہ گاڑی وقت پر پہنچے گی، آپ کی یقین کا یہ دائرہ بہت وسیع ہے آپ کو یقین ہے کہ آپ احباب و اعزا آپ کے ساتھ مخلص ہیں، اگر آپ کے ہاتھوں یقین کا دامن چھوٹ جائے تو زندگی لاحاصل بن کر رہ جائے گی۔

اگر مجھے ان تعریفوں میں جو اوپر درج کئے ہیں، انتخاب کا موقع دیا جائے تو میں بائیبل والی تعریف کو پسند کروں گا،

"یقین اُن چیزوں کا نچوڑ ہے جو سوچی جائیں مگر دیکھی نہ جائیں"

"چیزیں جو سوچی جائیں! دیکھی نہ جائیں! میرا ایک دوست ہے

جو ذرا مکینیکل رجحان کا آدمی واقع ہوا ہے وہ یقین کی خوبیوں کے معاملے میں شکی مزاج رکھتا ہے، یہ درست ہے کہ وہ گرجے وغیرہ کے کاموں سے دُور بھاگتا ہے لیکن اس کے باوجود ایسی متوازن زندگی گذارتا ہے جو بہت کم لوگوں کے دیکھنے میں آئی ہے وہ ہر چیز میں "سائنٹفک" ثبوت مانگتا ہے، وہ پیشے کے اعتبار سے پودوں اور پھولوں کا کام کرتا ہے وہ ایک بیج کو بونے کے بعد یہ سوچتا ہے کہ بیج سے پودا برآمد ہوگا اور پودے میں پھول لگیں گے، یہ وہ چیزیں جو سوچنے میں آتی ہیں دیکھنے میں نہیں، اس زمانے میں جب کہ ٹیلیویژن کا وجود بھی عمل میں نہیں آیا تھا وہ اس کو حقیقی روپ میں دیکھنے کا انتظار کرتا رہا، اس نے ٹیلی ویژن سیٹ خریدنے کے لیے ایک چیک بھی کاٹ کر رکھ دیا تھا ——— اور چیک خود اس قسم کا ایک کاغذی تصور تھا جو ابھی تک بھنا نہیں تھا اور جب سیٹ واقعی گھر میں آچکا اور اس نے چابی گھمائی تو اس کے ذہن کے پردے پر پہلے ہی ایک تصویر کے اُبھرنے کی شہادت تھی جو ابھی تک نظر نہیں آئی تھی۔

اس شخص کے تمام سائنٹفک ثبوت خود اس کی یقین کا ہی نتیجہ تھے، پھر میں اس میں یقین کو مقدم نہیں کرتے، سب سے پہلے چیزوں کا تصور اور یقین ہوتا ہے جو دیکھی نہیں جاتیں اور پھر یقین ہی سے بعد میں یقین کی قوت کے سائنٹفک ثبوت ظہور پذیر ہوتے ہیں گذشتہ شب میں اپنے اس دوست کے ہاں گیا تو اس نے چند بگونیا کے پھول دکھائے، اس کا

خیال تھا کہ یہ پھول بہت خوبصورت تھے خود میرا اپنا بھی یہی خیال تھا مجھ سے جرأت نہ ہوئی کہ اس بات کا سائنٹیفک ثبوت طلب کرتا کہ پھول کس طرح خوبصورت ہیں، اس کی بیوی بڑے خوبصورت طریقے سے پیانو بجا رہی تھی اور وہ لطف اٹھا رہا تھا، لیکن میں نے اس سے سائنٹیفک ثبوت نہیں مانگا کہ موسیقی کس طرح خوبصورت تھی، اس کی دس سالہ بچی، جب اسے اپنے بستر پر جانے سے قبل الوداع کہنے آئی اور اس نے اسے بھینچ کر پیشانی کا بوسہ لیا تو مجھ میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ میں پوچھوں کہ تم مجھے اس بات کا سائنٹیفک ثبوت دو کہ تمھاری بچی تمھیں والہانہ پیار کرتی ہے۔

بہرحال میرے اس سائنٹیفک دوست سے چیتونوف کا واقعہ یاد آتا ہے جو لوئیس سبز دہم کے شاہی مہروں کو اپنی تحویل میں رکھتا تھا چیتونوف ایک بار ایک نو سالہ بچے سے مذہب کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کر رہا تھا، آخر میں اس نے بچے سے کہا" اگر تم مجھے یہ بتا دو کہ خدا کہاں ہے، تو میں تمھیں ایک سیب دوں گا"۔

"حضورِ والا! بچے نے جواب دیا" اگر آپ مجھے یہ بتا دیں کہ خدا کہاں نہیں ہے تو میں آپ کو ایک کی جگہ دو سیب دوں گا"۔

میں آپ کو اس چیز کا سائنٹیفک ثبوت تو دے نہیں سکتا کہ آپ کا یقین آپ کی جیب میں کھنکتے ہوئے روپے کے برابر ہے لیکن میں آپ کو ایک مفلوک الحال، غریب اور مصیبت زدہ نوجوان کی سچی کہانی سنا سکتا ہوں

جو گریپنچوج کے ایک ہوٹل کے لیے چھوٹے موٹے مزاحیہ کھیل لکھا کرتا تھا اور اسے اس کا معاوضہ صرف اسی قدر ملتا تھا کہ جو دو وقت کی روٹی کما سکتا ہوٹل والے اسے یہ کھانا بھی جبر یہ ہی کھلاتے تھے کیونکہ ان کے تماشائی اوّل اوّل ان مزاحیہ کھیلوں سے دلچسپی محسوس نہیں کرتے تھے۔

ایک روز ہوٹل کے مالک نے سوچا کہ اس نوجوان کو تھوڑی بہت نصیحت کرنی چاہیئے، چنانچہ اس نے اسے بلا کر کہا " میں اس وقت تو تمھیں دو وقت کی روٹی دے دیتا ہوں، مگر اگر تم ان ہی چیزوں پر تکیہ دے کر بیٹھ گئے، تو ایک روز تمھیں فاقہ کرنا پڑے گا، میاں صحیح معنوں میں کوئی کام کرو، یہ مزاحیہ سین لکھنے سے گذارا نہیں ہوگا، جاکر کوئی کام کرو اور کھرے پیسے بناؤ۔

" کھرے پیسے تو میری جیب میں ہیں " نوجوان نے جواب دیا اور اپنی جیبوں میں اس طرح ہاتھ ڈالا جیسے واقعی ان میں کھرے پیسے جھنجھنا اُٹھیں گے۔

" کھرے پیسے اور تمھاری جیب میں ؟ ہوٹل کا مالک استہزائی انداز میں مسکرایا۔

" مجھے آپ پر اعتماد ہے اور یہی چیز میری جیب میں کھرے پیسوں کے برابر ہے " نوجوان بولا " اگر آپ کے اندر یقین ہے تو آپ کے جیب میں پیسے ہیں ! سنیئے، ایک دن میں اتنی شہرت کا مالک ہوں گا کہ بڑے بڑے لوگ مجھ سے مشورہ کریں گے کہ اچھا کھانا کس ہوٹل میں ملتا ہے "

انھیں اس ہوٹل میں بھیج دوں گا، کیونکہ آپ میرے دوست ہیں نا؟"

ہوٹل کے مالک نے منہ بچکایا اور بات آئی گئی ختم ہوگئی، نوجوان ڈرامہ نگار مسکرایا، اپنے جیبوں میں یقین کے سکّوں کو کھنکایا اور اپنی زندگی کے راستے پر گامزن رہا، کئی سال گذر گئے، ایک شب مشہور سیاستدان سر انتھونی ایڈن کسی سیاسی امور کے سلسلے میں لندن سے امریکہ پہنچے، پریس کے رپورٹروں نے ان کو بہت تلاش کیا کہ وہ ان کی آمد کی سیاسی اہمیت دریافت کریں مگر انتھونی ایڈن کا کہیں پتہ نہ چلا، پریس رپورٹروں نے تمام بڑے بڑے شبانہ کلبوں اور ہوٹلوں کا محاصرہ کیا مگر بے سود آخر ایک چالاک رپورٹر نے ان کا پتہ پا ہی لیا۔ مسٹر انتھونی ایڈن اور اُن کی بیگم ایک چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور ہوٹل کے مالک سے اپنے محترم دوست نوئیل کاورڈ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے جس نے انھیں اس ہوٹل کے لیے بھیجا تھا۔ جیسا کہ اس نے چند سال قبل ہوٹل کے مالک سے وعدہ کیا تھا۔

نوئیل کاورڈ صاحب ہی سے یقین کا علاقہ نہیں آج سے مدتوں پہلے ٹلیگل نے کہا تھا "حقیقی زندگی کا بڑا معرکہ اسی وقت انجام پذیر ہوتا ہے جبکہ اسے یقین کے ساتھ شروع کیا جائے" ولیم جیمز جنھوں نے امریکی نفسیات کو اپنی دانش اور قابلیت سے مالامال کیا ہے، اس باب میں فرماتے ہیں کہ ہم کسی مشکوک قسم کے کام کو جس یقین کے تحت اپنے ذمے لیتے ہیں وہی ایک

چیز ہمیں اپنی جرآت کا ثمرہ پانے کا یقین دلاتی ہے۔"

کوئی شخص ہمارے اور آپ کے اندر سے یقین، سکونِ روح اور اعتماد کی ٹھوس قوتوں کو نہیں چھین سکتا، یقین ہمیشہ آپ کے انتظار میں ہے کہ آپ اسے اپنا لیں، اگر آپ اسے اپنا لیں گے تو اس کی معجز نما قوتیں آج ہی سے اپنا کرشمہ دکھانا شروع کر دیں گی، کیونکہ یقین کی قوت محکم ہے اور یہ منفی شکوک کے سارے طلسمات کو باطل کر دیتی ہے، آئرستانی شاعر اور مدبر جارج رسل اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے، انھوں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ "ہم وہی کچھ ہوتے ہیں جو ہم سوچنے کے عادی ہوتے ہیں" مارکس آؤریلیس بھی اس حقیقت سے واقف تھے، انہوں نے کہا ہے "انسان جس طرح سوچتا ہے اس کی زندگی ویسی ہی بن جاتی ہے" رالف والڈو ایمرسن بھی اس حقیقت کو جانتے تھے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے "ہم وہی کچھ ہوتے ہیں جو تمام دن سوچتے رہتے ہیں"۔ سالہا سال کی تحقیق کے بعد نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے سابق صدر والٹر ڈل اسکاٹ نے بھی کہا تھا کہ "کاروبار میں کامیابی اور ناکامی کو شروع میں ذہنی صلاحیت متعین نہیں کرتی بلکہ ذہنی رویہ متعین کرتی ہے۔"

ممتاز ماہر نفسیات ڈاکٹر اسمائیلی بلینٹن فرماتے ہیں کہ آپ کے ذہنی رویے اور آپ میں یقین کا فقدان یا کمی آپ کی زندگی تک کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک ایسا ہی واقعہ بیان کرتے ہیں:

"حال ہی میں مجھے ایک ایسی خاتون سے ملنے کا اتفاق ہوا جو ایک

بہت بڑے آپریشن کے بعد بتدریج صحت یاب ہو رہی تھیں، ان کا خیال تھا کہ ان کی خانگی زندگی بڑی پُرسرور اور کامیاب ہے مگر ایک روز ان کے شوہر نامدار ہسپتال تشریف لائے اور انھوں نے خاتون سے کہا کہ وہ اسے طلاق دینا چاہتے ہیں، اب اس خاتون کی زندگی میں کوئی ایسی شئے باقی نہیں رہ گئی تھی، جس پر وہ یقین کرتی، ان کی زندگی یکدم چکنا چور ہو گئی، اُن کا بخار پھر سے پلٹ آیا، انھوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا، چند ہی روز میں وہ اپنے ہوش و حواس سے گذر گئیں اور اسی حالت میں انھوں نے ہسپتال کے بستر پر دم توڑ دیا۔

اس خاتون کی موت کی کوئی جسمانی وجہ معلوم نہ ہو سکی، ان کا یقین مرٹ چکا تھا اور اس لیے اب زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے اب ان کے پاس کوئی شئے باقی نہیں رہی تھی۔

اس قسم کی اور بھی بے شمار چھوٹی موٹی موتیں ہیں، جو ہمیں اپنی نا یقینی کے باعث، کئی جگہ مارتی رہتی ہیں، مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر ڈیوڈ ہیرالڈ فینک ہمیں ایک ایسے نوجوان پولو کے کھلاڑی کا واقعہ سناتے ہیں جو پولو کے کھیل کا نامور کھلاڑی تھا لیکن وہ بڑے بڑے مقابلوں میں صرف اپنے ذہنی رویے کے باعث شکست کھا جاتا تھا، جب وہ اپنے دوستوں اور جان پہچان کے لوگوں کے ساتھ کھیلتا تو ہمیشہ وہ انھیں شکست دیتا، مگر جب کبھی بڑے بڑے مقابلوں کی نوبت آئی اور وہ اچانک سراسیمہ ہو جاتا اور شکست کھا جاتا۔

زندگی تابندگی

ڈاکٹر فنک اس ناکامی کو اس کھلاڑی کے ذہنی رویے کے سر تھوپتے ہیں، وہ ایک معمولی خاندان کا لڑکا تھا اور ایک دیہاتی کلب میں پولو کھلانے پر ملازم ہو گیا تھا، یہ کلب امراء و روساء کے زیر تصرف تھا اس لڑکے نے پولو کا کھیل یہیں سیکھا اور اس فن میں اس درجہ مہارت حاصل کر لی کہ کلب والوں نے اسے مستقل طور پر کلب میں ایک بڑا عہدہ دے دیا، مگر یہ شخص اس خیال سے کبھی دامن نہ چھڑا سکا کہ وہ اس کلب کا ایک ادنیٰ ملازم ہوتا تھا اور اس لیے امراء و روسا قسم کے کھلاڑیوں کو وہ شکست نہیں دے سکتا تھا، یہ خیال اس کے دل میں بیٹھ کر رہ گیا کہ وہ ان امراء سے کمتر ہے اور اس ذہنی طریقِ فکر سے ہمیشہ اسے انھیں شکست دینے سے باز رکھا۔

یہی ڈاکٹر فنک فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے ذہن میں یہ خیال بیٹھ چکا ہے کہ آپ "غلام" ہیں تو آپ غلاموں کی طرح سلوک کریں گے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو اس کے لیے خود کو مجرم محسوس کریں گے، اگر آپ کے ذہن میں کوئی خیال بیٹھ جائے کہ آپ ملکہ ہیں تو آپ ایک ملکہ ہی کی طرح سلوک کریں گے۔

آیئے ہم یقین کی بیش بہا قوتوں کا ایک ہیرو اور ڈاکو کے واقعے کو سامنے رکھ کر اندازہ کریں۔

نیوٹن ڈی بیکر جب صدر ولسن کے کابینہ کے ناظمِ جنگ نہیں بنے تھے، اور وہ کلیولینڈ کے میئر ہوا کرتے تھے، ایک دفعہ ایک ڈاکو کے ساتھ ان کا سابقہ پڑا۔

ایک شام جب مسٹر بیسکہ شہر کے مضافات میں اپنی کار میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے، ایک ڈاکو نے اُن کے سامنے پستول بلند کیا اور دھمکا کر بولا، خبردار! چپ بیٹھے رہو، ہلنے جُلنے کی کوشش نہ کرنا!"

مَیں خوف سے کانپ اٹھا، سب سے پہلے مجھے خیال آیا کہ مَیں اپنا شناختی کارڈ اس کے حوالے کر دوں اور چھٹی ہو جائے۔ لیکن اس نوجوان کے چہرے پر کچھ ایسا تاثر تھا جو مجھے بہت بھلا لگا، وہ اپنی صُورت کے اعتبار سے پیشہ ور قسم کا ڈاکو معلوم نہیں ہوتا تھا۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں"۔ مَیں نے سوال کیا

"جناب میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں، ڈاکو نے جواب دیا، مجھے کہیں نوکری نہیں ملتی، میں بھُوکا ہوں"

"لیکن اگر میں آپ کو کوئی نوکری دے دوں" مَیں نے کہا! "فرض کیجئے میں آپ کو کچھ روپے بطور قرض دے دوں ——— یعنی اُس وقت تک کے لیے جب آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں؟

کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں جناب ؟ ڈاکو میری اس بات پر جیسے یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مَیں پُوری ایمانداری سے کہہ رہا ہوں" مَیں نے اسے یقین دلایا۔

"اچھا جناب تو آپ کیا چاہتے ہیں؟" اس نے مجھ سے دریافت کیا۔

مسٹر بیکر نے دس ڈالر کے نوٹ اور اپنا تعارفی کارڈ اس شخص کے حوالے کر دیا، ڈاکو نے ماچس جلائی اور اس کی مدھم روشنی میں تعارفی کارڈ کو دیکھا۔

"اچھا جناب، تو آپ میئر ہیں" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "آپ کی یہ پیش کش ایماندارانہ ہے نا" آپ مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے۔ مسٹر بیکر نے اس شخص کو یقین دلایا کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ ایسا کر رہے ہیں اور وہ نوجوان چپکے سے وہاں سے چل دیا۔ دوسرے روز شام کو مسٹر بیکر نے اپنے ایک بہت بڑے کاروباری دوست کو یہ واقعہ سنایا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس نوجوان کو اپنے ادارے میں کوئی معقول جگہ دے دیں، کاروباری دوست نے بیکر صاحب سے کہا کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ ڈاکو اب واپس آئے گا، بہرحال اگر واقعی آ گیا تو وہ اسے جگہ دے دیں گے۔

دوسرے روز صبح کا واقعہ ہے کہ ایک صاف ستھرا نوجوان میئر صاحب کے دفتر میں داخل ہوا، اسے میئر صاحب کی باتوں پر چونکہ یقین کامل تھا اس لیے وہ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ کسی لمحہ بھی اس کی گرفتاری عمل میں آ سکتی ہے وہ سیدھا میئر صاحب کی میز کی طرف بڑھا اور میئر نے اپنے کاروباری دوست کے نام اسے ایک رقعہ دے دیا اور نوجوان اسی دن اس کاروباری کے دفتر میں پہنچا اور ملازم ہو گیا، اب وہ ایک معقول جگہ پہ کام کر رہا ہے۔

یہاں تک تو ہم نے دوسروں کے یقین کی چند جھلکیاں دیکھی ہیں لیکن اگر خود آپ اپنی زندگی میں کسی گذرے ہوئے معرکے کے متعلق سوچیں گے تو آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آپ کو ہر بڑی کامیابی اسی وقت نصیب ہوئی ہے، جب آپ کے اندر پختہ یقین موجزن تھا اور ٹھوس انداز نے آپ کی راہ کشائی کی تھی۔

جو لوگ پختہ اعتماد کے مالک ہوتے ہیں وہ اپنی نگاہیں اُوپر اٹھا کر دیکھتے ہیں اور انھیں اُفق حسین با رونق نظر آتا ہے اور وہ یقین کے ساتھ زندگی کے طلسم ہوشربا کو سر کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیتے ہیں۔

ذیل میں پانچ مشورے درج ہیں جو یقین پیدا کرنے کے لیے آپ کی راہبری کریں گے:

۱: آپ کے حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، آپ یہ جان لیں کہ اپنے اندر جس وقت یقین کی شمع روشن کریں گے، اسی وقت اپنے اندر معجز نما قوتوں کو موجزن پائیں گے۔

۲: اچھی طرح جان لیجیے کہ بغیر یقین کے آپ میں جسمانی، ذہنی یا روحانی کوئی بھی قوت پوری طرح بیدار نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر نارمن ونسنٹ پیل ہمیں خود تشخیص کا مشورہ دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "ہمیں اپنے اندرونی قوتوں کا کماحقہ اندازہ رکھنا چاہیئے، ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیئے، بھروسہ کرنا چاہیئے، ہمیں" خود اپنی قوتوں کا

علم نہیں ہوتا، ہم اگر دیو قامت قسم کے لوگ بھی ہیں تو خود کو ہم کوتاہ قد سمجھتے ہیں اور کوتاہ قدوں ہی کی طرح حرکتیں کرتے ہیں، ہم محض اپنی قوتوں سے باخبر نہیں ہوتے جو ہمارے احاطہ اختیار میں ہوتی ہیں ہم دیدہ دانستہ منفی فکر کے ساتھ اپنے لیے پابندیاں وضع کر کر لیتے ہیں اور رکاوٹیں کھڑی کر لیتے ہیں۔

خود تشخیصی کا سب سے آسان راستہ اور ہمیں اپنے آپ میں اعتماد اس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم طاقتور ہیں محض اپنی ہی ذات میں نہیں بلکہ اپنی ذات سے بھی سوا۔

۳: اپنے لیے ہر روز سکون کے چند لمحات مقرر کر لیجئے، وقت کی ہمہ دم رواں دواں راہوں سے الگ ہو کر خود کو کچھ دیر کے لیے تنہائیوں کو سونپ دیں، ریڈیو کو بند کر دیجئے ٹیلی ویژن پر غلاف چڑھا دیجئے اور اخباروں کی بھیانک سرخیوں سے نظر موڑ لیجئے اور کچھ دیر سکون کے ساتھ آرام سے لیٹ جائیے، ان لمحوں میں آپ کے ذہنی اور جسمانی پٹھوں کو ستانے کا موقع نصیب ہوگا۔

دنیا کے ممتاز ترین سائنسدان البرٹ آئن اسٹائن ان سکون بخش لمحوں کی قوت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور وہ اس سے لطف اٹھاتے تھے، ایک دن آئن اسٹائن ایک خشک اور فلسفیانہ سائنسی جلسے کے سلسلے میں موجود تھے تو ان کے ایک سائنسدان دوست نے ان

سے پوچھا:

"کیوں پروفیسر آئن اسٹائن ہماری بحث سے آپکو بڑی کوفت ہوئی ہوگی"

"ارے نہیں! پروفیسر نے جواب دیا" میں ایسے موقع پر اپنے ذہن کے تہ خانے میں چلا جاتا ہوں اور وہاں مجھے آرام ملتا ہے"

تمار تھو ایک بڑھئی تھا، اس نے چالیس دن اور چالیس رات تنہائی میں گذارے تاکہ اسے ذہنی طمانیت حاصل ہو، مہاتما گاندھی اس دور کے عظیم ترین قائد تھے، طمانیت بخش لمحات کی قدر و قیمت کو وہ بہت اچھی طرح پہچانتے تھے، ایسے لمحات میں وہ اندرونی قوت حاصل کرتے تھے، جس کے سبب انھوں نے لاکھوں پیرو بنائے ——— اور اس کے لیے انھوں نے کسی ایٹم بم اور مشین گن سے مدد نہیں لی تھی۔

ایسے لمحہ میں انسان دل کو کھلا چھوڑ دیتا ہے، تاکہ عقل و یقین کو آمد کا موقع ملے۔ یہ لمحات جنون و ضبط کو ختم کر دیتے ہیں اور ان زخموں پر مرہم رکھتے ہیں جو اس بے رحم دنیا کے ہاتھوں ملتے ہیں، یہ لمحات، خود فریبی کو قلع قمع کرتے ہیں، اور ان کی جگہ عزم کا چراغ روشن کرتے ہیں۔

۴: اگر زندگی کی کلبیت آپ کو اپنے تہ کے اندر لپیٹ چکی ہے اور اس کی محرومیاں آپ کو توڑ مروڑ چکی ہیں اور آپ اپنی پیش قدمی کے لیے اپنے آپ میں یقین نہیں پاتے تو کسی ماہر نفسیات

سے مشورہ کیجئے، آپ کے اندر نا امیدیوں کی جو خوفناک تیرگی پھیلی ہوئی ہے اس میں یقین کی کرن کا سراغ نکالیئے

۵: اس حقیقت کو گرہ میں باندھ کر رکھ لیجئے کہ منفی رجحانات یقین کو کبھی نپنپنے نہیں دے گی. یہ اس کی ضد ہے، یقین تو ذہن کی ٹھوس عملی قوت ہے، جسے آپ جتنا زیادہ استعمال کریں گے اس میں اسی قدر زیادہ جلا آئے گی۔

۳

زندگی کا متنوّع اُسلوب

آپ کی زندگی کا بہتر اور ٹھوس اسلوب آپ کی بالغ الذہنی اور اس کے تجربات سے مرتب ہوتا ہے جس سے آپ روزانہ کی زندگی میں کچھ سیکھتے ہیں۔ آپ اپنی روزمرہ کی زندگی میں مسائل کا سامنا کرنے کے لیے جو انداز اختیار کرتے ہیں اس نقشے کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

آپ اس حقیقت کو اچھّی طرح سمجھتے ہیں کہ تمام منفی رجحانات کو ختم نہیں کیا جا سکتا، لیکن سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ ٹھوس قسم کا ذہنی رویّہ پیدا کیا جائے، ٹھوس نظریات پر کاربند ہوا جائے اور ٹھوس قسم کے مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے تاکہ تمام منفی قوتوں پر حتیٰ الممکنہ قابو رہ سکے۔

کسی اخبار کا مدیر ہزاروں موصول شدہ مضامین کو منفی طبیعت کے باعث ناقابل اشاعت قرار دے دیتا ہے لیکن وہی مدیر ان ہزاروں مضامین میں سے ایک مضمون کو ناقابلِ اشاعت بھی تصور کرتا ہے یہ اس کا مثبت

پہلو ہے اور اگر یہ پہلو کارفرما ہو تو اخبار کی اشاعت بند ہو جائے گی، یہ بات مسلم ہے کہ ٹھوس رجحان کے پیش نظر ہمیشہ ٹھوس مقصد ہوتا ہے۔

اپنے رجحانات میں تبدیلی پیدا کیجیے

ان منفی رجحانات کو	ان مثبت رجحانات میں ڈھال لیجئے
خوف	ہمت
ناکامی	کامگاری
شک	یقین
جھجک	فیصلہ
شکست خوردگی	گرمیِ عمل
شکست	فتح
ناآسودگی	آسودگی
پراگندہ ذہنی	وسیع الذہنی
تنہائی	دوستی
تذبذب	جرأت
شکوک و شبہات	یقین و اعتماد
عذر خواہی	ٹھوس حقائق

امیدوار

کلبیت

اگر آپ بالغ الذہن اور بالغ النظر ہیں تو ان معجز نما خصوصیات کی پرورش آپ کے لیے ایک بہتر زندگی کی نوید ثابت ہوگی۔ مندرجہ ذیل صلاحیتوں کو اپنے اندر پیدا کرنے سے یہ خوشگوار فرائض بطریقِ احسن پورے ہوں گے۔

ا: سوچنے اور اس پر اعتماد کے ساتھ عمل کرنے کی صلاحیت اور اپنی حسبِ خواہش چیز کو طلب کرنا، آپ اپنی طلب کو اس طرح آزمایئے کیا یہ چیز اچھی ہے؟ حسبِ منشاء؟ اگر یہ مجھے مل جائے تو میں قبول کر لوں گا؟ اگر اس کا جواب صاف "ہاں" ہے تو آپ اسے طلب کیجئے، یہ آپ کا حق ہے! آپ دیکھیں گے کہ اس طرح بے دھڑک طلب کرنے سے وہ چیز آپکو مل کر رہے گی، لیکن اگر آپ کو اس کے حصول کے راستے میں دوسرے منفی قسم کے لوگ حائل ہیں یا حالات آپ کے قطعی موافق نہیں ہیں تو آپ اس کی تدبیر فی الفور سوچیں اور ٹھوس طریقے سے اس چیز کے حصول کے لیے کوئی دوسری راہ تلاش کریں۔ آپ اسے ناقابلِ حصول سمجھ کر چھوڑ نہ دیں۔

اگر آپ صاف طور سے یہ نہیں جانتے کہ آپ کیا چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کس چیز کے اہل ہیں تو پھر دوسرے لوگ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ آپ اپنی موجودہ حیثیت سے پوری طرح

مطمئن ہیں اور اس سے زیادہ کی قطعی صلاحیت نہیں رکھتے، آپکی اوقات ہی اتنی ہے۔

میں ایک صاحب کو جانتا ہوں جنھوں نے اس کلیے کو آزمایا تھا اور اپنی پسند کی چیز طلب کی تھی، انھوں نے اس کو طلب کرنے کے لیے ٹھوس اور مثبت انداز اختیار کیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں ترقی بھی مل گئی اور آمدنی میں بھی دوچند اضافہ ہو گیا۔

مجھے ایک اور صاحب کو بھی جاننے کا اتفاق ہوا، جو ایک کاروباری ادارے میں خاصے ذمہ دار عہدے پر فائز تھے، وہ صاحب کئی سالوں سے اپنے ادارے کے مالک کو عہدے میں ترقی دینے کے لیے مصر تھے، لیکن مالک ہمیشہ انھیں طرح دیئے جاتا، آخر میں انھوں نے ٹھوس اور تحکمانہ انداز میں اپنی ترقی کو مالک سے طلب کیا، جب مالک نے انکار کر دیا تو ملازمت سے علیحدہ ہو گئے، اپنا کاروبار شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کا کاروبار اتنا پھیلا کہ ان کی حیثیت اپنے سابق مالک سے بھی زیادہ ہو گئی، اور انھیں وہ کامیابی اور سرخوشی حاصل ہوئی جو کبھی ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔

جو لوگ عقل و دانش کے مالک ہوتے ہیں وہ اپنے فکر اور عمل کی صلاحیت کو ہمیشہ مقدم جانتے ہیں اور بے دھڑک اپنے جائز حقوق طلب کرتے ہیں اس میں انھیں ذرا جھجک محسوس نہیں ہوتی۔

۲۔ ذمہ داریوں کو نہ صرف قبول کرنے کی صلاحیت بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے زیر تصرف لینے کی صلاحیت، فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور اس فیصلے پر عمل کرنے کی صلاحیت!

کسی انسان کی یہ بھرپور صلاحیت اس کے روزمرہ کے کاموں اور ان کی نگرانی سے واضح ہو سکتی ہے کہ وہ اس معاملے میں کس قدر صلاحیتوں کا حامل ہے، وہ مرد یا عورت جو شروع ہی سے منفی رجحانات کے تابع ہوتے ہیں، وہ شاید ہی اپنی صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہیں بلکہ ایسے لوگ، دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں، آپ جس قدر ٹھوس دماغ ہوں گے اسی قدر ذمہ داریاں آپ قبول کرنے کو تیار ہوں گے، یہ ذمہ داریاں آپ خود اپنے مردانہ وار طریقوں سے اپنائیں گے، آپ جس قدر منفی رجحان کے تابع ہوں گے اسی قدر آپ اپنے فیصلوں میں بے توازن ہوں گے، آپ کو ان لوگوں کے فیصلوں کا دست نگر رہنا پڑے گا، جو مثبت رجحان کے تابع ہیں وہ لوگ جنھوں نے ٹھوس اور مثبت رجحان کو اپنے تابع کر لیا ہے، وہی لوگ اس دنیا میں بڑی بڑی ذمہ داریوں کے مالک ہیں اور وہ اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے پیش قدمی سے کام لیتے ہیں۔

۳: ایسے کام کرنے کی صلاحیت، جن کا ہونا ضروری ہے اور خواہ وہ آپ کو ذاتی طور پر ناپسند کیوں نہ ہوں، مگر حالات کے تحت تقاضہ یہی ہو کہ وہ کام کرنا چاہیئے۔

جو لوگ محکم عمل اور دماغ کے مالک ہوں گے وہ وقت، پڑنے پر اُس قسم کا کام کرنے سے بھی دریغ نہ کریں گے، جو ان کے لیے ناخوشگوار ہے وہ اپنی ہمت میں کبھی شکست نہ آنے دیں گے، وہ اس ناخوشگوار اور غیر دلچسپ کام کے ساتھ ساتھ اپنے ذہن میں ایسے منصوبے تیار کرتے رہیں گے، جو انھیں ایک بہتر مستقبل کی طرف لے جائے گی اور اس مستقبل تک پہنچنے کے لیے وہ اپنی راہ ہموار کریں گے، وہ اس خشک کام کے ساتھ اپنے دل پسند کاموں کی تسخیر کے لیے بھی کوشاں رہیں گے۔

مجھے چند نوجوان ادیبوں کو جاننے کا موقع ملا ہے، خاص کر اس ملک میں جہاں کہ ادب کے ذریعہ پیٹ پالنا مشکل ہے، وہ ادب کو ایک دل پسند شعبہ تصور کر کے اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ ادبی تخلیقات میں بھی مصروف رہے، پاکستان کے پچانوے فیصدی ادیب ادب کی بجائے کلرکی، ڈاکٹری، انجینئرنگ اور دیگر خشک اور غیر شاعرانہ مشغولیتوں میں مصروف رہیں، ان میں سے چند کی تعریفیں یہ ہیں:

احمد ندیم قاسمی : پاکستان میں صفِ اول کے ادیب، شاعر اور صحافی ہیں، آپ نے متعدد سال اکسائز کی سب انسپکٹری میں گزارے اور یہ وہی سال تھے، جب ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ وہ اس غیر دلچسپ کام کو کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ادبی تخلیقات میں بھی مصروف رہے۔ ——— جب انھیں معلوم ہو گیا

کہ ادب ان کی کفالت کرنے کو تیار ہے تو انھوں نے اکسائز کی سب انسپکٹری کو خیرباد کہہ دیا اور آل انڈیا ریڈیو میں ملازم ہو گئے۔ ریڈیو پر ان کے ادبی مذاق کی جب تک تسکین ہو سکتی تھی وہاں رہے پھر وہ فلم میں گئے، اور فلم کے بعد اب صحافت میں بھی شمار کیے جاتے ہیں۔

پاکستان کے ایک نہایت مشہور شاعر مجید امجد واشنگ کے دفتر میں کلرک ہیں، آپ کا مجموعہ کلام "شب رفتہ" اُردو کی جدید شاعری میں سنگِ میل ہے۔

پاکستان کے مشہور افسانہ نگار شوکت صدیقی برسوں جنگلات کے ٹھیکے کا کام کرتے رہے ہیں اب وہ اُردو ادب میں لازوال افسانوں کے مصنف ہیں اور ادب ان کی کفالت کرتا ہے۔

حسن اعرابی: پاکستان کے نوجوان شاعر جنھوں نے "لوئی اراگان" کی نظم کا منظوم ترجمہ کر کے بقائے دوام حاصل کیا، پنجاب کے ایک خشک ترین علاقے میں اسکول ٹیچر ہیں۔

پاکستان کے بہترین غزل گو شاعر اصغر سلیم محکمہ تعلیم میں فائلوں ورق گردانی میں مصروف نظر آتے ہیں، ابن انشاء صاحب اسمبلی میں مترجم ہیں، شہرت بخاری صاحب کا بھی یہی حال ہے۔

اس کتاب کا مترجم، خود پورے دو سال تک لاہور کے ایک

الیکٹریکل فرم میں ایک ادنیٰ درجے کا کلرک رہ چکا ہے۔

۴: زندگی کا گھونسہ سہنے کی صلاحیت: اگر آپ بالغ الذہن اور ٹھوس انسان ہیں تو زندگی کا گھونسہ کھا کر بھی آپ دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوں گے، آپ اپنی اندرونی قوتوں کو مجتمع کر کے ہر قسم کی خارجی مشکلات کے ساتھ مزاحمت کریں گے اور زندگی سے مایوس کن نتائج مرتب نہیں کریں گے، جو لوگ ٹھوس مقصد اور ذہن کے مالک ہیں، وہ تمام حالات سے بلند ہونے کی راہ نکال لیتے ہیں، وہ ٹھوس مقاصد اور منصوبے تیار کرتے ہیں اور اس کے حصول میں پیہم کوشاں رہتے ہیں

۵: اپنی ذات کے تمام مفاد کو نظر انداز کر کے دوسروں کی تعریف و تحسین کی صلاحیت: دوسروں کے ذات سے محبت اور توصیف کو محض اپنے دل کے ہی اندر محدود رکھنا کافی نہیں، بلکہ آپ کو اس جذبے کے اظہار کی ضرورت ہے اور اس کا اظہار اپنے لفظ اور ٹھوس عمل سے کیجیئے۔

ہم جب اپنے مخلصانہ اور بے لوث جذبوں کا اظہار کرتے ہیں جب ہی ہمیں لوگوں کی رفاقت اور محبت نصیب ہوتی ہے۔

۶: تنہائی کو دُور کرنے اور دوست پیدا کرنے کی صلاحیت، تنہائی سے نجات کی محض ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ اپنے ٹھوس عمل سے ہم اپنے جذبہ دوستانہ کی نمائش کریں، تنہا قسم کے لوگ اپنے دِل

ہیں یہ آرزو لیے بیٹھے رہ جاتے ہیں کہ کوئی خود سے آکر ان کی دوستی کی پیش کش کرے، یہ لوگ خفیہ طور پر جس چیز کے متمنی ہوتے ہیں، اس خواہش کے آگے اپنی منفی بے عملی کے سبب دیوار چن لیتے ہیں۔

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے منفی دوستی کے نام سے پکارا جائے۔ کسی نے آج تک ایسا نہیں کیا کہ دوستوں کو ایک پلندے میں باندھ کر دروازے پر رکھ دے، ناموری کا تحفہ مانگنے سے ملتا ہے اس کے لیے عمل کی ضرورت ہوتی ہے، آپ بڑے بڑے لوگوں کی زندگی کو لے کر دیکھیے، آپکو صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ وہ لوگ آگے بڑھ کر دوستی کے طلبگار ہوئے تھے۔ جو شخص بھی دوستی کے انعام سے مالا مال ہونا چاہے اسے عملی طور پر آگے بڑھ کر طلب کرنا پڑے گا، اسے دوستی حاصل ہو کر رہے گی، اس میں کوئی معجزے کی بات نہیں، یہ ہر کسی کے بس کی بات ہے۔

کسی بھی قوم میں ممتاز شخصیتیں وہی ہوتی ہیں جو سماج میں دوستانہ عمل کا ثبوت دیتی ہیں وہ ایسے لوگ صرف تنہا بیٹھ کر خواہشیں نہیں کرتے رہتے وہ دیانت کی کمائی روٹی کھاتے ہیں وہ دوستوں کی تعریف میں مضامین لکھتے ہیں وہ ایک دوسرے کے مفاد میں برابر شریک ہوتے ہیں وہ محفلیں قائم کرتے ہیں وہ اپنے حسن سلوک کے اظہار کے لیے سیکڑوں واقع پیدا کرتے ہیں وہ ٹیلیفون کرتے ہیں

مزاج پرسی کرتے ہیں، وہ اس طرح مسکراتے ہیں جیسے دل سے مسکرا رہے ہوں۔ وہ ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں، وہ دوسروں میں دلچسپی لیتے ہیں کہ دوسرے لوگ کیا کر رہے ہیں، وہ اس دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں وہ لوگوں کی سالگرہ اور یوم پیدائش کو ازبر رکھتے ہیں اور ایسے موقع اور تقاریب کے لیے کچھ تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کسی کو پسند کرنے سے ہی انسان پسند کیا جاتا ہے، یہی وہ خوبیاں ہیں جن کی بدولت ٹھوس اور محکم لوگ ناموری حاصل کرتے ہیں اور جن کی عدم موجودگی لوگوں کو تمام عمر قعر گمنامی میں رکھتی ہے۔

۷ : حسد، پچھتاوے، خود ترسی، پریشانیوں اور کلبیت کے تمام احساسات کو دبانے یا ان کو یکسر ترک کر دینے کی صلاحیت: یہ تمام احساسات دیمک کی مانند ہیں جو خود اعتمادی کو تباہ کرتے ہیں، اور احساس کمتری پیدا کرتے ہیں، احساس منفی جذبات پیدا کرتے ہیں اور ان تمام لوگوں کی زندگی کو نقصان پہنچاتے ہیں جو یہ احساسات اپنے اندر پیدا کرتے ہیں اور جو لوگ ان احساسات کے لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں۔

۸ : انتہائی صبر آزما حالات میں بھی اپنے حصے کی ذمہ داری کو ایمانداری سے نبھانے اور لوگوں کے ساتھ اشتراک برتنے کی صلاحیت :

جو لوگ بالغ الذہن اور ٹھوس رجحان کے مالک ہوتے ہیں وہ نہ تو دوسروں کے سہارے زندہ رہتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کے کاسہ لیس ہوسکتے ہیں وہ نیک کاموں کے لیے اپنی قابلیت کو بے دھڑک، بے خوف اور بے لوث طریقوں سے استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے بوجھ کو بغیر کسی کی مدد سے پوری طرح سنبھالے رہتے ہیں اور اس کے لیے نہ تو کسی کی مدد طلب کرتے ہیں اور نہ ہی حرفِ شکایت زبان پہ لاتے ہیں ان لوگوں کے احاطہ اختیار میں جو کچھ بھی ہوتا ہے نام نہاد ناموری یا شہرت کی لالچ کے بغیر نیک مقاصد کے تحت کرتے رہتے ہیں۔

۹ : زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو کسی قسم کی عذر خواہی اور خود فریبی کے بغیر سامنا کرنے کی صلاحیت : یہ صلاحیت انسان میں اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے۔ جب محکم رجحان غالب ہو۔ یہ محکم اور ٹھوس رجحان تمام ایسے توقعات کو جو ناکامیوں، ناشادیوں، شکست خوردگیوں کو جنم دیتے ہیں ختم کر دیتا ہے۔

ماہرین نفسیات نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ شخصیت کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک کامیاب شخصیت کہلاتی ہے اور دوسری ناکام شخصیت ہے محکم اور ٹھوس رجحان کے مرد یا عورت ہمیشہ کامیاب ہونے کی خواہش رکھتے ہیں، اس کے برعکس منفی رجحان کے افراد ہمیشہ ناکام رہنے کی خواہش رکھتے ہیں

مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر کارل مینن گر کہتے ہیں کہ "بہت سے لوگ واقعتاً کامیابی سے ڈرتے ہیں"

۱۰: غیر ضروری معاملات کو بھی زیر تصرف لینے کی صلاحیت: لیکن اپنے دل کی دقعت اور اپنے کردار کی عظمت کے لیے جدوجہد سے کبھی ہاتھ نہ روکنے کی صلاحیت، اس جنگ کو جاری رکھنے کی صلاحیت:

جو مرد یا عورت فی الحقیقت ٹھوس ذہنی صلاحیت کے مالک ہوں گے وہ عام لوگوں کی سطح سے بلند رہیں گے لیکن بیشتر چھوٹے موٹے سمجھوتے کرنے سے اپنی خودی کو نقصان پہنچتا ہے اور ہمارے کردار کی عظمت تباہ ہو جاتی ہے۔

آپ اپنی زندگی کے گزرے ہوئے واقعات پر نظر ڈالیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کی تمام ناکامیوں میں خود آپ کی اپنی کوتاہیوں کا دخل رہا ہے، آپکو ناکامی سے صرف اسی وقت سابقہ پڑا ہے جب آپ کمزور تھے۔ اور اپنے اندر اعتماد کی قوت کو پوری طرح مصرف میں نہیں لایا تھا، اس کا نتیجہ یہی ہوا کہ آپ کو ناکامی ہوئی، اسے آپ کی اپنی مانگی ہوئی ناکامی کہنا چاہیئے، جب آپ ان واقعات کی جانچ پڑتال کرنے لگیں تو پوری ایمانداری برتیئے، عذر و معذورت نہ تراشیئے، پھر آپ اپنے ذہنی کلنڈر پر صاف صاف دیکھ سکیں گے کہ کن کن مواقع پر آپ نے ان حصول سے ہاتھ روک لیا، جسے آپ اچھی طرح

جانتے ہیں کہ آپ کی دسترس میں ہے۔ آپ ان موقعوں پر نشانات لگا دیں، جہاں آپ نے اپنی کوشش کے سامنے خطِ تنسیخ کھینچ دی اور جنگ سے ہاتھ روک لیا اور حالات کے شکار بن گئے۔ آپ کو پوری طرح معلوم ہے کہ ایک خاص موقع پر آپ کا اعتماد اور آپ کا یقین متزلزل ہو گیا تھا اور آپ نے خطرناک سمجھ کر ہتھیار ڈالنے پر اکتفا کر لیا۔

ان صلاحیتوں کو جو شخص بھی اپنے پیدا کرے گا وہ زندگی کی بھر قوتوں کا مالک ہوگا اور یہ سرمایہ کامیابی کو تسخیر کرنے کا موقعہ مہیا کرے گا۔

خوف اور پریشانی سے نجات

تاسف سے نجات

خود ترسی سے نجات

تنہائی سے نجات

رشک و حسد سے نجات

اپنی ذات کی نفرت سے نجات

کلبیت سے نجات

جذباتی ناپختگی سے نجات

احساسِ کمتری سے نجات

تذبذب اور لیت و لعل سے نجات

منفیت سے نجات، جو انسانی تعلقات کے خون میں
زہر پھیلاتی ہے۔

بھرپور زندگی کا تقاضہ ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوری طرح باخبر ہوں ہمیں معلوم ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور جو ہم چاہتے ہیں اسے طلب کریں ہمارے پاس بھرپور قسم کے مقاصد ہوں، جسے ہم اٹل فیصلے اور پیہم سعی عمل کے ساتھ آگے بڑھا سکیں، ہمارے نظریات خوش امید ہوں، ہم منفی رجحانات اور منفی عمل کے خلاف پوری طرح مستعد ہوں، ہم زندگی کی ٹھوس قوتوں کو اتنا زیادہ کام میں لائیں کہ یہ ہماری عادت بن جائیں، زندگی کی بھرپور قوتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، یہ بے انتھاہ ہے، بیکراں ہے، بے پایاں ہے!!!

•